آبِ کوثر

www.KitaboSunnat.com

شیخ محمد اکرام

ادارۂ ثقافتِ اسلامیہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

معزز قارئین توجہ فرمائیں!

کتاب وسنت ڈاٹ کام پر دستیاب تمام الیکٹرانک کتب .....

- عام قاری کے مطالعے کے لیے ہیں۔
- مجلس التحقیق الاسلامی کے علمائے کرام کی باقاعدہ تصدیق واجازت کے بعد آپ لوڈ (Upload) کی جاتی ہیں۔
- دعوتی مقاصد کی خاطر ڈاؤن لوڈ، پرنٹ، فوٹو کاپی اور الیکٹرانک ذرائع سے محض مندرجات نشرواشاعت کی مکمل اجازت ہے۔

☆ تنبیہ ☆

- کسی بھی کتاب کو تجارتی یا مادی نفع کے حصول کی خاطر استعمال کرنے کی ممانعت ہے۔
- ان کتب کو تجارتی یا دیگر مادی مقاصد کے لیے استعمال کرنا اخلاقی، قانونی وشرعی جرم ہے۔

﴿اسلامی تعلیمات پر مشتمل کتب متعلقہ ناشرین سے خرید کر تبلیغ دین کی کاوشوں میں بھرپور شرکت اختیار کریں﴾

- نشرواشاعت، کتب کی خرید وفروخت اور کتب کے استعمال سے متعلقہ کسی بھی قسم کی معلومات کے لیے رابطہ فرمائیں۔

kitabosunnat@gmail.com
www.KitaboSunnat.com

www.KitaboSunnat.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

آبِ کوثر

marfat.com

"محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

آبِ کوثر

اسلامی ہند و پاکستان کی مذہبی اور علمی تاریخ

عہدِ مغلیہ سے پہلے

اِدارۂ ثقافتِ اسلامیہ

۲۔ کلب روڈ، لاہور

marfat.com

"محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

جملہ حقوق محفوظ

ایڈیشن:	تیسواں
طبع:	جون 2006ء
تعداد:	1100
ناشر:	ڈاکٹر رشید احمد (جالندھری) ناظم ادارہ ثقافتِ اسلامیہ
قیمت:	-/220 روپے
مطبع:	نقوش پریس، لاہور

اس کتاب کی طباعت واشاعت اکادمی ادبیات پاکستان، اسلام آباد، انفاق فاؤنڈیشن، کراچی اور محکمہ اطلاعات وثقافت، حکومت پنجاب کی مالی معاونت کی بدولت ممکن ہوئی ہے۔ شکریہ!

marfat.com

"محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

فہرستِ مضامین

ابتدائی مرحلے

العرب والہند و پاکستان

سنہ ۷۱۱ء سے سنہ ۹۸۰ء تک

۱	دیباچہ	۱۱
۲	عرب اور ہند و پاکستان کے قدیم تعلقات	۱۹
۳	فتح سندھ	۲۰
۴	محمد بن قاسم کا نظم و نسق	۲۴
۵	محمد بن قاسم کے جانشین	۲۷
۶	عرب اور ہند و پاکستان کے علمی اور تمدنی روابط	۳۱
۷	ساحلِ ہند پر عربوں کی بستیاں	۴۱
۸	شرق الہند میں اشاعتِ اسلام	۵۲

غزنی و لاہور

سنہ ۹۸۰ء سے سنہ ۱۱۸۶ء تک

۱	امیر ناصر الدین سبکتگین	۵۵
۲	سلطان محمود غزنوی	۵۹
۳	عہدِ غزنویہ میں علم و ادب	۶۴
۴	علامہ ابو ریحان البیرونی	۶

marfat.com

"محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

۵	خطۂ لاہور کے علماء و مشائخ	۷۴
۶	داتا گنج بخش لاہوریؒ	۷۶
۷	امام حسن صنعانی لاہوریؒ	۸۱
۸	سلطان سخی سرور	۸۲

دورِ توسیع و اشاعت

۱۱۸۶ء سے ۱۳۲۱ء تک

توسیعِ حکومت

(خاندانِ غلاماں اور خاندانِ خلجی)

۱	سلطان معز الدین محمد غوری	۸۹
۲	خاندانِ غلاماں	۹۹
۳	سلطان غیاث الدین بلبن	۱۰۲
۴	عہدِ غلاماں میں علم و ادب	۱۱۵
۵	ہندوستان میں اسلامی فقہ کا آغاز	۱۲۵
۶	صدر الصدور قاضی منہاج سراج	۱۳۰
۷	خاندان خلجی	۱۳۹
۸	سلطان علاء الدین خلجی	۱۴۵
۹	عہدِ علائی میں علم و ادب	۱۷۱
۱۰	طوطیِ ہند امیر خسرو	۱۷۷

اشاعتِ اسلام

۱	حضرت خواجہ معین الدین اجمیریؒ	۱۹۶
۲	خواجہ قطب الدین بختیار کاکی	۲۱۳

marfat.com

"محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

۳	شیخ کبیر بابا فرید گنج شکرؒ	۲۱۷
۴	سلطان المشائخ خواجہ نظام الدین اولیا	۲۲۸
۵	سہروردی اور دوسرے سلسلے	۲۵۲
۶	شیخ بہاء الدین زکریا سہروردیؒ	۲۵۵
۷	سہروردی سلسلہ کے افغان مشائخ	۲۶۸
۸	اُچہ میں تبلیغی اور صوفیانہ سرگرمیاں	۲۷۶
۹	حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت	۲۷۷
۱۰	سندھ میں اشاعتِ اسلام	۲۹۰
۱۱	بنگال میں اشاعتِ اسلام	۲۹۷
۱۲	شیخ جلال الدین تبریزی	۲۹۷
۱۳	حضرت نور قطب عالم چشتی نظامی	۳۰۷
۱۴	شیخ جلال مجرد سلہٹی سہروردی	۳۱۳
۱۵	بنگال کے غازی اولیا	۳۲۰
۱۶	گجرات میں اشاعتِ اسلام	۳۲۹
۱۷	میمن جماعت	۳۳۷
۱۸	قرامطہ	۳۳۸
۱۹	خوجے	۳۳۹
۲۰	اسماعیلی جماعتیں	۳۴۴
۲۱	بوہرے	۳۵۳
۲۲	دکن میں اشاعتِ اسلام	۳۵۶
۲۳	طبلِ عالم سید نظہر ولیؒ	۳۵۷
۲۴	حضرت سید گیسو درازؒ	۳۶۶
۲۵	کشمیر میں اشاعتِ اسلام	۳۷۴

marfat.com

"محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

۲۶	توسیعِ اسلام	۳۸۳

دَورِ نفوذ و ترویج

خاندانِ تغلق، سادات اور لودھی کا عہدِ حکومت
۱۳۲۱ء سے ۱۵۲۶ء تک

۱	سلطان غیاث الدین تغلق	۳۹۳
۲	سلطان محمدؐ بن تغلق	۴۰۱
۳	حضرت نصیر الدین چراغ دہلی	۴۱۱
۴	خاندانِ تغلق کے زمانے میں علم و ادب	۴۲۳
۵	تیمور	۴۴۳
۶	صُوبجاتی حکومتیں	۴۴۵
۷	خاندانِ سادات اور خاندانِ لودھی	۴۵۴
۸	شیخ جمالی	۴۶۰
۹	بھگتی تحریک	۴۶۵
۱۰	ہندوستان پر اسلام کے اثرات	۴۶۷

چند اہم تاریخیں ۴۶۹

marfat.com

"محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

پیش کش

ملت اسلامیہ پاکستان و ہند کے حضور میں!

جس کے رُخِ رنگیں اور خالِ مشکیں کی اس کتاب میں آئینہ داری کی کوشش کی گئی ہے:-

آئینہ کیوں نہ دُوں کہ تماشا کہیں جسے
ایسا کہاں سے لاؤں کہ تجھ سا کہیں جسے

○

marfat.com

"محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

ہم آج جو کچھ ہیں، وہ اِس لیے ہیں کہ کل ہم کیا تھے۔

اور

انسانی مشکلات کا حل زیادہ وعظ و نصیحت سے نہیں،
بلکہ زیادہ علم اور صحیح تر واقفیت سے ہی ہو سکتا ہے۔

marfat.com

"محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

دیباچہ طبع پنجم

آب کوثر کی یہ پانچویں اشاعت ہے۔ اس کی چوتھی اشاعت بعینہٖ تیسری اشاعت کے مُطابق تھی۔ نظرِ ثانی کے علاوہ اس اشاعت میں متعدد اضافے کیے گئے ہیں اور بعض مباحث میں مزید تفاصیل بہم کی گئی ہیں۔ "ہندوستان میں اسلامی فقہ کا آغاز" ایک مستقل باب ہے، جس کا اِس اشاعت میں اضافہ ہُوا ہے۔ صدر الصدُور قاضی منہاج سراج سلطان التمش اور سلطان ناصرالدین محمُود کے عہد کی ایک بہت بڑی علمی، ادبی و سیاسی شخصیت تھی۔ گو اشاعتِ سابق میں بھی اُن کا کافی تفصیل سے ذکر تھا، لیکن اس دفعہ اُن کی شخصیت اور کارناموں پر مزید روشنی ڈالی گئی ہے۔ اسی ضمن میں اِس دَور کے بعض اور اہلِ علم کا بھی ذکر آگیا ہے۔

شیخ بہاء الدین زکریا مُلتانیؒ اور اُن کے خلفاء کی بدولت افغان علاقوں میں سہروردی سلسلے کو جس طرح فروغ ہُوا، اس اشاعت میں اُس کے تفصیلی حالات کا "سہروردی سلسلے کے افغان مشائخ" کے تحت اضافہ کیا گیا ہے۔

بنگال میں سہروردی اور چشتی بزرگ اسلام کا پیغام لے کر پہنچے تھے

marfat.com

"محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

اور اُنھی کی برکت سے وہاں اسلام کی اشاعت ہوئی۔ تاریخ میں انھیں "غازی اولیا" کا نام دیا گیا ہے۔ "آبِ کوثر" کی اس اشاعت میں "بنگال کے غازی اولیا" کا ایک نیا باب شامل کیا گیا ہے۔

علاوہ ازیں کتاب کے مختلف مقامات میں بعض اور اضافے کئے گئے ہیں، اور اسلامی ہند و پاکستان کے اس دَور کی مذہبی اور علمی تاریخ میں جو مزید تحقیقات ہوئی ہیں، انھیں پیشِ نظر رکھتے ہوئے، بحث و نظر کے دائرے کو اور آگے بڑھایا گیا ہے۔ اور اس بارے میں مزید معلومات جمع کی گئی ہیں۔

امید ہے قارئین کرام اس کتاب کو پہلے سے زیادہ مکمل پائیں گے۔

محمد اکرام

۲۰ مئی ۱۹۶۴ء

marfat.com

"محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

دیباچہ طبع ثالث

چشمۂ کوثر کا دُوسرا ایڈیشن اور اگر اسے آبِ کوثر کی بدلی ہوئی صُورت سمجھیں تو تیسرا ایڈیشن ہدیۂ ناظرین ہے۔

کتاب پر پھر سے تفصیلی طور پر نظرِ ثانی کی گئی ہے۔ بلکہ متعدد مباحث مثلاً بوہروں اور خوجوں کا بیان۔ ملتان اور اچہ کے سہروردی بزرگوں کے حالات، تبلیغی کارنامے، سلطان غیاث الدین بلبن کا کیرکٹر بالکل نئے سرے سے لکھے گئے ہیں اور حضرت چراغ دہلیؒ اور سید بندہ نواز گیسو دراز کے ملفوظات اور بعض دوسری اہم کتب کے ہاتھ آجانے سے بزرگانِ چشت کے حالات میں بھی تصحیح و اضافہ کا موقع ملا ہے۔

سلطان علاء الدین خلجی کی نسبت بھی بہت سا نیا مواد جمع کیا ہے۔ اور کوشش کی ہے کہ اس منتظم اور رعایا پرور بادشاہ کے ساتھ انصاف ہو۔ اور ایک گناہ یا ایک نقص کی بدولت اس کی بے اندازہ نیکیاں اور خوبیاں نظر انداز نہ ہو جائیں۔

آخری باب، جس میں اکبر سے پہلے کے عہدِ مغلیہ کے واقعات تھے رودِ کوثر میں منتقل کر دیا گیا ہے۔ اب اِس سلسلۂ کتب میں قومی تاریخ کے تین مختلف دوروں یعنی:۔

(۱) عہدِ مغلیہ سے پہلے (۲) عہدِ مُغلیہ اور (۳) مُغلوں کے بعد کے جُداگانہ حالات ہیں۔

جنوری ۱۹۴۷ء

محمد اکرام

marfat.com

"محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

استدراک

آبِ کوثر کا یہ ایڈیشن شروع ۱۹۴۷ء میں مرتب ہو گیا تھا۔ اور تقسیم ہند سے پہلے کتابت بالکل مکمل تھی۔ لیکن اس سال کے آخر میں میری کتابوں کے قدیمی ناشر اور میرے کرمفرما شیخ نذیر احمد مالک تاج آفس بمبئی و کراچی ایک ہوائی حادثہ میں وفات پا گئے۔ اور ان کی ناگہانی موت سے جہاں ان کا وسیع کاروبار منتشر ہوا، وہاں آبِ کوثر کی طباعت بھی معرضِ تعویق میں آ گئی۔ بلکہ کتابت شدہ کاپیاں بے کار ہو گئیں۔ اب تمام کاپیوں پر نئے سرے سے نظرِ ثانی کی گئی ہے۔ اور کتاب دوبارہ کتابت کے بعد قارئین کرام کے سامنے پیش ہو رہی ہے۔

محمد اکرام

۱۰ - جولائی ۱۹۵۲ء

marfat.com

"محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

دیباچہ طبع ثانی

آج سے کوئی چار سال پہلے ہم نے آبِ کوثر اور موجِ کوثر میں اسلامی ہندوستان کی ذہنی اور روحانی تاریخ کا ایک مختصر سا خاکہ پیش کیا تھا۔ اس میدان میں یہ ہماری پہلی کوشش تھی۔ اور جس ماحول میں رہ کر ہمیں کام کرنا پڑا، وہ اس قسم کی کوششوں کے لیے بالکل ناسازگار تھا۔ اس لیے آبِ کوثر میں بہت سی کوتاہیاں رہ گئیں اور کئی اندراجات کے لیے ہمیں معاصرانہ تصانیف کے بجائے دورِ حاضر کے تذکروں ہی پر اعتماد کرنا پڑا۔

اب ہم نے کوشش کی ہے کہ اس خاکے میں رنگ بھرا جائے۔ اور بہت سی تفاصیل جن سے پہلی کتاب عاری تھی، چشمۂ کوثر اور رودِ کوثر میں جمع کی گئی ہیں۔

قوم کی علمی اور رُوحانی تاریخ مرتب کرنے میں جو مشکلات ہیں ان سے اہلِ نظر خوب واقف ہیں۔ مولانا مناظر احسن گیلانی، الفرقان کے ولی اللہ نمبر میں لکھتے ہیں: "علمائے اسلام کے جو تذکرے ادھر تیار ہوئے ہیں، ان میں دیکھیے بقول نواب علامہ مولانا حبیب الرحمٰن شروانی سوائے "البحر العلام البحر القمقام" کے ہم قافیہ الفاظ کے سوانح حالات کی ایک سطر نہیں ملتی"۔ اولیا و مشائخ کے جو تذکرے ہیں، وہ بھی ان سے بہتر نہیں۔ بیسیوں بلکہ بسا اوقات سینکڑوں صفحے اُلٹے جائیں، تب کام کی ایک سطر ملتی ہے۔

marfat.com

"محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

بقول شمس العلماء شبلی نعمانی چیونٹیوں کے مُنہ سے دانہ دانہ جمع کر کے خرمن تیار کرنا پڑتا ہے۔ قصہ نویسی اور خوش اعتقادی کی کُہر تمام لٹریچر پر چھائی ہوئی ہے، جس کے اندر نہ مختلف اولیاے کرام کے جُداگانہ خدوخال نظر آتے ہیں اور نہ ان کے عملی کارناموں سے صحیح واقفیت ہوتی ہے۔

ہم یہ تو نہیں کہہ سکتے کہ ہم ان مشکلات پر غالب آسکے ہیں، لیکن اپنی بساط کے مطابق ہم نے ان پر عبور پانے کی پُوری کوشش کی ہے۔ قدیم تصانیف میں سے جو چھپ چکی ہیں، انھیں اور جو غیر مطبوعہ اور کمیاب ہیں، ان کے متعلق مطبوعہ مقالات اور مضامین پڑھے ہیں اور طلب کا دامن دُور دُور تک پھیلایا ہے۔ اشاعتِ اسلام کے سلسلے میں اُردو فارسی تذکروں پر ہی اکتفا نہیں کیا بلکہ ایک ایک ضلع کا سرکاری گزٹیر دیکھا ہے اور کوشش کی ہے کہ ان سب مواد کی بنا پر قوم کی مذہبی اور علمی تاریخ واضح اور قابلِ فہم صورت میں مرتب ہوسکے۔

محمد اکرام

(۱۹۴۱ء)

marfat.com

"محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

ابتدائی مرحلے

(الف) العرب والہند و پاکستان

سنہ ۷۱۱ء سے سنہ ۹۸۰ء تک

(ب) غزنی و لاہور

سنہ ۹۸۰ء سے سنہ ۱۱۸۶ء تک

marfat.com

"محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

اَلعَرب وَالہِند و پاکستان

قدیم تعلقات

عرب اور ہند و پاکستان کے تعلقات بہت پرانے ہیں۔ ان دونوں علاقوں بالخصوص سندھ اور جنوبی عرب کے سواحل اس قدر قریب ہیں کہ ان کے درمیان تجارتی تعلقات اور دوسرے روابط قائم ہو جانا ناگزیر تھا۔ جہاں تک طلوعِ تاریخ سے قبل کے واقعات کا تعلق ہے، قصص الانبیا کی کتابوں میں لکھا ہے کہ جب ابو البشر حضرت آدم علیہ السلام جنت سے نکالے گئے تو وہ پہلے لنکا یعنی ہندوستان کے جنوبی جزیرہ میں آئے اور حضرت حوا عرب میں پہنچیں۔ ان دونوں کی ملاقات جدہ میں ہوئی۔ عرب اور ہندوستان سے تعلق رکھنے والی ہستیوں کی یہ پہلی ملاقات تھی، جو اس کرۂ خاکی پر وقوع پذیر ہوئی۔ سبحۃ المرجان میں مولانا آزاد بلگرامی نے اس طرح کی کئی روائتیں جمع کی ہیں، اور ان سے اپنے وطنِ مالوف کی فضیلت اور اہمیت ثابت کی ہے۔

مولانا آزاد نے اس بات کی طرف بھی اشارہ کیا ہے کہ جب حضرت آدمؑ جنت سے نکلے تو حجرِ اسود ان کے ساتھ تھا اور آج یہی پتھر لنکا اور جنوبی ہندوستان سے ہوتا ہُوا مسلمانوں کی مقدس ترین عمارت (خانہ کعبہ) میں نصب ہے۔ اس کے علاوہ عرب مصنف لکھتے ہیں کہ جنوبی ہندوستان سے جو طرح طرح کی خوشبوئیں اور پھل اور مسالے عرب جاتے تھے اور وہاں سے ساری دُنیا میں پھیلتے تھے، وہ حقیقتاً ان تحفوں کی یادگار ہیں، جو حضرت آدمؑ اپنے ساتھ جنت سے لائے تھے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ طوبیٰ جو عربی اور فارسی میں بہشت کا

marfat.com

"محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

ایک درخت ہے، ہندوستان کی کئی زبانوں میں بہشت کا نام ہے۔ اسی طرح رسولِ اکرمؐ کی ایک حدیث بیان کی جاتی ہے کہ "مجھے ہندوستان کی طرف سے ربانی خوشبو آتی ہے"۔ یہ حدیث ضعیف کے درجے سے بالاتر نہیں۔ لیکن اس سے بھی اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ رسولِ اکرمؐ کے سامعین یا اس حدیث کے راوی ہندوستان سے بے خبر نہ ہوں گے۔ اقبالؔ نے اپنی نظم میں اسی حدیث کی طرف اشارہ کیا تھا ؎

ٹوٹے تھے جو ستارے فارس کے آسماں سے — پھر تاب دے کے جس نے چمکائے کہکشاں سے
وحدت کی لے سنی تھی دنیا نے جس مکاں سے — میرِ عرب کو آئی ٹھنڈی ہوا جہاں سے

میرا وطن وہی ہے، میرا وطن وہی ہے

یہ بیانات تو زیادہ تر جوشِ محبت کے کرشمے اور قصہ کہانیوں پر مبنی ہیں، لیکن عرب اور ہند و پاکستان کے درمیان قدیم الایام سے ایسے تجارتی روابط قائم ہو گئے تھے جنھوں نے دونوں علاقوں بلکہ تمام دنیا کی تاریخ پر اثر ڈالا اور جن کی تصدیق سے مورخین کو انکار نہیں۔ ہندوستان کی پیداوار اور دوسرے مال و اسباب کی اہلِ یورپ اور اہلِ مصر کو ہمیشہ سے ضرورت رہی ہے۔ عرب تاجر یہ مال جہازوں کے ذریعے ہندوستانی بندرگاہوں سے یمن اور وہاں سے خشکی کے راستے ملکِ شام پہنچاتے۔ جہاں یہ چیزیں پھر جہازوں میں لدتیں اور یورپ تک پہنچتیں۔

فتح سندھ

جب عرب نورِ اسلام کی روشنی سے منور ہوا تو عرب اور ہند کے یہ دیرینہ تعلقات منقطع نہ ہو گئے۔ مسلمان ملاحوں اور تاجروں نے اپنے پیشروؤں کا کام برقرار رکھا اور اپنی کشتیاں اور جہاز لے کر عرب سے ہندوستان اور لنکا کے سواحل پر آتے جاتے رہے۔ لیکن جلد ہی ان کاروباری تعلقات کے ساتھ ساتھ سیاسی روابط بھی شروع ہو گئے جو شروع میں اس قدر خوشگوار نہ تھے۔

اسلامی عرب اور خطۂ ہند و پاکستان کا پہلا واسطہ جس کا تواریخ میں ذکر ہے

marfat.com

"محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

آغازِ اسلام کے تھوڑے ہی عرصہ بعد حضرت عمرؓ کے عہدِ خلافت میں ظہور پذیر ہُوا۔ اور یہ واسطہ مخالفانہ تھا۔ مشہور مورّخ طبری لکھتا ہے کہ حضرت عمرؓ کے زمانے میں حکم بن عمرو تغلبی اسلامی فوج لے کر مکران جا رہے تھے کہ راستے میں ایرانی فوج نے ان کا مقابلہ کیا۔ ایرانیوں نے اپنی مدد کے لیے سندھ کے راجا سے فوج منگائی تھی، جو عربوں کے خلاف صف آرا ہوئی۔ لیکن ایران اور سندھ کی متحدہ فوجوں کو شکست ہوئی اور جو مالِ غنیمت عربوں کے ہاتھ آیا اس میں ہندوستان کے ہاتھی بھی تھے۔ اس زمانے میں بحرین کے عرب گورنر عثمان بن ابی العاص الثقفی نے حضرت عمرؓ کی اجازت کے بغیر عمان کے راستے ساحلِ ہند پر ایک لشکر بھیج دیا۔ جو علاقہ بمبئی میں مقام تانہ (تھانہ Thana) تک آیا۔ یہ لشکر بخیر و عافیت عرب واپس پہنچا۔ لیکن حضرت عمرؓ نے جو بحری مہموں اور پُرخطر لڑائیوں کے خلاف تھے، والیٔ بحرین کو ایک خفگی کا خط لکھا اور ایسی مہموں کی ممانعت کر دی۔ اس کے بعد متعدد عرب افسروں کے بھروچ اور سندھ میں مختلف مقاصد سے آنے کا ذکر ملتا ہے۔ لیکن حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ ہندوستان پر فوج کشی کے مخالف تھے اور اگرچہ سندھ کی سرحد پر مکران کے مسلمانوں اور سندھ کے راجے میں گاہے گاہے چھیڑ چھاڑ ہوتی رہی لیکن عربوں نے خلیفہ ولید بن عبدالملک کے زمانے تک ہندوستان پر باقاعدہ چڑھائی نہیں کی۔ اور اس وقت بھی واقعات نے انھیں مجبور کر دیا۔

اس زمانے میں عراق کا گورنر حجاج بن یوسف تھا، جو عرب کی تاریخ میں اپنی بہادری، انتظامی قابلیت اور ظلم و ستم کے لیے مشہور ہے[1]۔ سندھ میں راجہ داہر

---

[1] پروفیسر محمد حبیب ایک مضمون میں لکھتے ہیں۔ "اموی حکومت کی نسبت باقی امور میں خواہ ہماری رائے کیا ہو لیکن یہ ماننا پڑتا ہے کہ اسلام کی توسیع میں حضرت عمر فاروقؓ کے بعد کسی نے اتنا حصہ نہیں لیا جتنا (اموی) خلیفہ ولید بن عبدالملک اور حجاج بن یوسف ثقفی نے ..... حجاج

(باقی اگلے صفحے پر)

marfat.com

"محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

مکران تھا۔ داہر نے اس سے پہلے ہی ان عربوں کو پناہ دے کر جنھوں نے مکران کے گورنر سعید بن اسلم کو قتل کیا تھا۔ عرب حکومت سے مخالفت کی بنیاد رکھ دی تھی۔ لیکن خلیفہ وقت ہندوستان پر لشکر کشی کے خلاف تھا اور اس نے راجا کے ساتھ لڑائی ضروری نہ سمجھی۔

اس واقعہ کے چند سال بعد لنکا سے کچھ جہاز ان تحائف سے لدے ہوئے عرب آ رہے تھے جو لنکا کے راجے نے حجاج کو بھیجے تھے۔ ان کے ساتھ کئی مسلمان تھے جو حج کو جا رہے تھے اور ان مسلمانوں کی بیویاں اور بچے بھی تھے، جو لنکا میں وفات پا گئے تھے۔ بادِ مخالف ان جہازوں کو ساحلِ دیبل پر لے گئی جو (موجودہ کراچی سے تھوڑی دُور) مملکتِ سندھ کی بڑی بندرگاہ تھی۔ یہاں دیبل کے میدؔ لوگوں نے ان جہازوں کا مال و اسباب لُوٹ لیا اور عورتوں اور مردوں کو گرفتار کر کے اندرُونی علاقے میں لے گئے۔ حجاج کو یہ خبر ملی تو اسے بڑا طیش آیا۔ اس نے راجا داہر کے پاس ایک سفیر بھیجا تاکہ وہ گرفتار شدہ مردوں اور عورتوں کو رہا کرائے اور تحفے دار الخلافہ پہنچائے۔ راجا نے سفیر کو جواب دیا کہ

(بقیہ نوٹ از صفحہ ۲۲) ایک ظالم اور جابر شخص تھا، جس کے سیاہ کارناموں کی یاد اسلامی ذہن پر ایک ہیبت ناک خواب کی طرح مسلط ہے۔ لیکن اگر حجاج سے لوگ سخت متنفر تھے تو اس کی تابعداری بھی بلا چون و چرا کرتے۔ اور جب ولید نے، جو اموی خلفا میں سب سے جری تھا۔ حجاج کو خراسان کا گورنر مقرر کیا تو بلادِ شرقی میں اسلام کی دوسری بڑی توسیع کا آغاز ہُوا۔ خلیفہ ثانی ایرانیوں کو دائرہ اسلام میں لائے تھے۔ اب حجاج کی بدولت تُرک اور تاتار حکومتِ اسلامی کے زیرِ نگیں آئے۔" (اسلامک کلچر۔ جنوری ۱۹۲۹ء صفحہ ۸۲ ۔ ۸۳)

[۲] (از صفحہ ۲۲)۔ اس زمانے میں سندھ کی سرحد میں موجودہ مغربی پنجاب کا بڑا حصہ اور بلوچستان اور مکران کے مشرقی علاقے بھی شامل تھے اور انتظامی سہولت کے لیے کل مملکت چار صوبوں میں منقسم تھی۔ (۱) سیوستان (۲) بہمن آباد (۳) اُچھ (۴) ملتان۔ دار السلطنت (موجودہ روہڑی یا سکھر کے قریب) الور تھا۔

marfat.com

"محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

"یہ سب کام بحری ڈاکوؤں کا ہے اور میرا ان پر کوئی زور نہیں"۔ حجاج اس جواب سے مطمئن نہ ہوا اور اس نے راجا داہر کو قرار واقعی سبق سکھانے کے لیے ہندوستان پر حملے کا فیصلہ کیا۔ پہلے عبداللہ اور بدیل کے زیرِ قیادت مکران سے لشکر بھیجے گئے۔ لیکن راجا داہر کے بیٹے جے سنگھ نے انھیں شکست دی اور دونوں سپہ سالار لڑائی میں شہید ہوئے۔ حجاج کو ان شکستوں کا بڑا رنج ہوا۔ بالخصوص بدیل کی موت نے اسے بہت متاثر کیا۔ چنانچہ اس نے خلیفۂ وقت ولیدؒ کی منت سماجت کر کے ہندوستان میں پورے انتظامات کے ساتھ[2] ایک خاص انتقامی لشکر بھیجنے کی اجازت لی اور اس کی قیادت کے لیے اپنے داماد اور چچازاد بھائی عماد الدین محمد بن قاسم کو چنا جس کی عمر اس وقت صرف سترہ برس کی تھی۔

محمد بن قاسم چھ ہزار سوار لے کر خشکی کے راستے ۷۱۱ء کے موسمِ خزاں میں دیبل پہنچا اور شہر کا محاصرہ شروع کیا۔ کئی روز تک کامیابی نہ ہوئی" لیکن بالآخر العروس نامی ایک بڑی منجنیق کی مدد سے جسے پانسو آدمی چلاتے تھے، شہر فتح ہو گیا۔ اور محمد بن قاسم نے قلعے پر قبضہ کر کے ان قیدیوں کو رہا کیا جو لنکا کے جہازوں سے گرفتار ہوئے تھے۔ دیبل سے محمد بن قاسم (موجودہ حیدر آباد کے قریب) نیرون گیا جہاں کے حاکم نے بغیر لڑائی کے ہتھیار ڈال دیے۔ پھر سہوان کی باری آئی۔ یہاں کا حاکم راجا داہر کا بھتیجا تھا۔ شہر کے لوگوں نے اس کے خلاف بغاوت کر کے

---

[1] یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ بالآخر راجا داہر کا وزیر سیسکار ([illegible]) قیدی عورتیں محمد بن قاسم کے پاس لایا۔ جب محمد بن قاسم نے دیبل کو فتح کیا تو قیدی مرد اور عورتیں سب یہیں سے ملے۔ (چچ نامہ)

[2] حجاج کے انتظامات اتنے مکمل تھے کہ مورخین لکھتے ہیں کہ سوئی دھاگا بھی ساتھ تھا اور جب حجاج کو معلوم ہوا کہ اسقربوط ([illegible]) کی وجہ سے مجاہدین کو سرکہ کی ضرورت ہے تو اس نے روئی کو سرکے میں تر کر کے سایے میں خشک کرایا اور خشک شدہ روئی سندھ بھیجی تاکہ بوقتِ ضرورت تر کر کے کام میں لائی جائے۔

marfat.com
"محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

عربوں کی اطاعت قبول کرلی۔ اس کے بعد محمدؒ بن قاسم نے بہمن آباد کا رُخ کیا اور راؤ اور بہمن آباد کے مقامات پر راجا داہر اور اس کے بیٹے جے سنگھ کو شکست فاش دی۔ جراں ہمت سپہ سالار پھر ملتان کی طرف بڑھا اور ۷۱۳ء میں یہ تاریخی مقام بھی فتح ہوگیا۔ اس طرح دو سال کے عرصے میں سندھ اور ملتان کا سارا علاقہ عربوں کے ہاتھ آگیا۔ لیکن عرب سپہ سالار کا انجام اچھا نہ ہُوا۔

چچ نامہ کے بیان کے مطابق محمدؒ بن قاسم کی فوجیں شمالی پنجاب کے اس مقام تک پہنچیں، جہاں دریائے جہلم میدانی علاقے میں داخل ہوتا ہے اور جہاں کشمیر اور راجا داہر کے مقبوضات کی حدیں ملتی تھیں۔ محمدؒ بن قاسم کا ارادہ مشرقی سمت بڑھنے کا تھا۔ چنانچہ اس نے قنوج کے راجے کو، جس کی حکومت مغرب میں اجمیر (اور غالباً وسطی پنجاب) تک پھیلی ہوئی تھی، پیغامِ جنگ بھیجا۔ لیکن یہ منصوبے پُورے نہ ہوئے۔ ۷۱۲ء کے وسط میں اس کے خسر اور سرپرست حجاج کی وفات ہوگئی۔ جس کی وجہ سے محمدؒ بن قاسم کو متامل ہونا پڑا۔ اگلے سال کے شروع میں خلیفہ ولید چل بسا اور اس کے بعد تو دمشق میں ایک طرح کا انقلاب ہوگیا۔ ولید کا جانشین اس کا بھائی سلیمان ہُوا۔ جس کی حجاج سے پُرانی عداوت تھی۔ اس نے حجاج کے تمام اقارب اور دوستوں کے خلاف دستِ تعدّی دراز کیا۔ محمدؒ بن قاسم کو سندھ سے واپس بُلا بھیجا اور اسے اور اس کے عزیزوں کو سخت ایذائیں دے کر مروا ڈالا۔

محمدؒ بن قاسم کا نظم و نسق

محمدؒ بن قاسم ہندوستان میں قریباً چار سال رہا، لیکن اس مختصر قیام کے باوجود اس کے ملکی انتظامات خاص توجہ کے مستحق ہیں۔ جن عربوں نے براہِ راست اسلام قبول کیا تھا، انھیں ہندوستان آنے کا یہی ایک موقع ملا۔ دوسرے حکمران جنھوں نے ہندوستان میں اپنی حکومت قائم کی ترک اور افغان تھے۔ اور اگرچہ وہ مسلمان ہوگئے تھے، لیکن ان کی اپنی قومی خصوصیات، ان کے مذہبی اعتقادات اور ان کے ملکی نظم و نسق کو متاثر کرتی رہیں۔ اور یہ عجیب بات ہے کہ سندھ کا نظم و نسق،

marfat.com

"محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

جس میں آخری احکام حجاج جیسے ظالم اور جابر گورنر کے ہوتے تھے شاید ترکوں اور افغانوں کی بہ نسبت زیادہ رواداری اور رعیت پروری پر مبنی تھا۔

جہاں تک محمدؒ بن قاسم کا تعلق ہے۔ چچ نامہ کا بیان ہے کہ اس نے دیبل کے محصوروں کے ساتھ بُرا سلوک کیا، لیکن ایک تو چچ نامہ کے بعض اندراجات مبالغہ آمیز اور ناقابلِ تسلیم ہیں۔ دوسرے یہ امور بھی قابلِ غور ہیں کہ محمدؒ بن قاسم ایک تعزیری مہم کا سردار تھا۔ کئی بے گناہ مسلمان عورتیں اور مرد جہازوں سے گرفتار ہو کر دیبل کے قلعے میں قید تھے۔ جے سنگھ نے بدیل اور عبداللہ کے لشکروں کا قتلِ عام کیا تھا۔ اور پھر یہ بھی اس زمانے کا مسلمہ اصولِ جنگ تھا کہ جہاں حملہ آور فوج کی مخالفت زیادہ کی جاتی تھی، وہاں اس کی سزا بھی بہت سخت ہوتی تھی۔

محمدؒ بن قاسم سترہ سال کا جوشیلا نوجوان تھا۔ اگر اس نے دو ایک جگہ جوشِ انتقام کے ماتحت یا شدتِ مخالفت سے برافروختہ ہو کر فتح کے وقت وہ رحم و کرم نہیں دکھایا جس کی مثال رسولِ اکرمؐ نے فتح مکہ کے موقعہ پر قائم کی تھی تو کم از کم یہ امر قابلِ لحاظ ہے کہ باقی سب جگہوں پر اس نے اہلِ سندھ سے بڑی نرمی کا سلوک کیا۔ جن لوگوں نے اطاعت قبول کر لی، انھیں کسی طرح تنگ نہ کیا بلکہ ہر طرح امان دی۔ ہندوؤں کو وہ مراعات عطا کیں، جو بعض فقہا کے نزدیک اہلِ کتاب کے لیے مخصوص تھیں اور ایسے نظم و نسق کی بنیاد رکھی جو پہلے راجاؤں سے یقیناً بہتر تھا۔

داہر کے باپ راجا چچ کی نسبت ڈاکٹر تارا چند لکھتے ہیں: "چچ ایک متعصب حاکم تھا۔ اس نے اپنی رعایا کے ایک حصے کے لیے سخت جابرانہ قوانین نافذ کیے۔ انھیں ہتھیار رکھنے، ریشمی کپڑے پہننے، گھوڑوں پر زین ڈال کر سوار ہونے کی ممانعت کر دی اور حکم دیا کہ وہ ننگے پاؤں اور ننگے سر اور کتوں کو ساتھ لے کر چلا کریں[1]۔" محمدؒ بن قاسم کے متعلق وہ لکھتے ہیں "مسلمان فاتح نے مفتوحوں کے ساتھ

---

[1] مختصر تاریخ اہلِ ہند از ڈاکٹر تارا چند (انگریزی) صر ۱۱۲

marfat.com

"محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

عقلمندی اور فیاضی کا سلوک کیا۔ مالگذاری کا پُرانا نظام قائم رہنے دیا اور قدیمی ملازموں کو برقرار رکھا۔ ہندو پُجاریوں اور برہمنوں کو اپنے مندروں میں پرستش کی اجازت دی اور ان پر فقط ایک خفیف سا محصول عاید کیا جو آمدنی کے مطابق ادا کرنا پڑتا تھا۔ زمینداروں کو اجازت دی گئی کہ وہ برہمنوں اور مندروں کو قدیم ٹیکس دیتے رہیں"۔

ڈاکٹر تارا چند نے جس خفیف ٹیکس کا ذکر کیا ہے، وہ جزیہ تھا جو برہمنوں سے نہیں لیکن دوسرے لوگوں سے لیا جاتا تھا۔ جزیہ کی بنا پر محمدؒ بن قاسم پر اعتراض کیا جاتا ہے، لیکن جب یہ خیال کیا جائے کہ مسلمانوں کو زکوٰۃ اور صدقہ دو ایسے ٹیکس دینے پڑتے تھے جن سے ہندو محفوظ تھے اور جو جزیہ کی رقم سے کہیں زیادہ ہوتے تھے تو یہ ٹیکس (جزیہ) غیر منصفانہ نہیں معلوم ہوتا۔ "مسلمانوں کو بیت المال یعنی شاہی خزانے میں اکثر ڈھائی فیصدی اور بعض دفعہ ساڑھے بارہ فیصدی تک داخل کرنا پڑتا تھا، لیکن غیر مسلموں کو سال میں پانچ دینار سے زیادہ نہ دینا پڑتا تھا۔" اس کے علاوہ وہ جنگی خدمت یعنی جہاد سے آزاد تھے، جو اسلامی حکومت میں ہر مسلمان کا مذہبی فرض ہے۔ بالعموم جزیہ وصول کرنے کے لیے برہمن مقرر تھے۔ غربا سے جزیہ کی رقم تھوڑی لی جاتی تھی اور وصول کرنے والے برہمن ہر حالت میں ان کا خیال رکھتے تھے۔

محمدؒ بن قاسم نے پرانے نظام کو حتے الوسع تبدیل نہ کیا۔ راجا داہر کے وزیرِ اعظم کو وزارت پر برقرار رکھا اور اس کے مشورے پر عمل کرتے ہوئے تمام نظامِ سلطنت ہندوؤں کے ہاتھ میں رہنے دیا۔ عرب فقط فوجی اور سپاہیانہ انتظام کے لیے تھے۔ مسلمانوں کے مقدمات کا فیصلہ قاضی کرتے تھے، لیکن ہندوؤں کے لیے ان کی پنچایتیں بدستور قائم رہیں۔

---

[1] مختصر تاریخ اہلِ ہند از ڈاکٹر تارا چند (انگریزی) صفحہ ۱۲۲-۱۲۳

marfat.com

"محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

محمدؒ بن قاسم کی یہی رواداری اور انصاف تھا جس کی وجہ سے اس کی مخالفت کم ہوئی۔ کئی شہروں نے خود بخود اطاعت قبول کر لی اور علامہ بلاذری نے تو فتوح البلدان میں لکھا ہے کہ "جب محمدؒ بن قاسم قید ہو کر عراق بھیجا گیا تو ہندوستان کے لوگ روتے تھے اور کیرج (علاقہ کچھ) کے لوگوں نے تو اس کا مجسمہ بنایا"۔

محمدؒ بن قاسم کے جانشین

محمدؒ بن قاسم کی کامیابی ایک حد تک سازگار اتفاقات اور زیادہ تر اس کی اپنی شخصیت کی مرہونِ منت تھی۔ جب وہ چل دیا تو سندھیوں نے سر اٹھایا۔[1] اس پر مشہور اموی خلیفہ عمر بن عبدالعزیز کے ایما پر سندھ کے عرب گورنر نے اعلان کیا کہ اگر سندھ کے لوگ مسلمان ہو جائیں تو انھیں عرب حکمرانوں کے مساوی حقوق ملیں گے۔ چنانچہ بعض سندھی قبائل اور ان کے سرگروہ، جن میں داہر کا بیٹا جے سنگھ بھی شامل تھا، مسلمان ہو گئے۔ اس کے بعد جلد ہی خلیفہ عمر بن عبدالعزیز کا انتقال ہو گیا۔ (۷۲۰ء) اور جب اس کے چار سال بعد ہشام بن عبدالملک نے ایک شخص جنید کو سندھ کا گورنر مقرر کیا تو سندھیوں نے جو خود مختار ہونا چاہتے تھے، اس کی سخت مخالفت کی۔ وہ کھلم کھلا بغاوت پر اتر آئے اور جے سنگھ کی سرکردگی میں بہت سے قبیلے جو مسلمان ہو گئے تھے، دوبارہ ہندو ہو گئے۔ جنید نے بغاوت کو دبا دیا۔ بلکہ اس نے سندھ سے باہر مارواڑ، گجرات اور وسطی ہند میں بھی لشکر کشی کی۔ مارواڑ کو تو اس نے فتح کر لیا، لیکن گجرات اور راجپوتانہ کے راجاؤں نے اسے شکستیں دیں اور بالآخر

---

[1] ان سب حالات کے لیے ملاحظہ ہو فتوح البلدان (ترجمہ انگریزی) مولوی عبدالحلیم شررؒ کا خیال ہے کہ جے سنگھ صرف دکھاوے کے لیے مسلمان ہوا تھا اور دل سے مسلمان نہ تھا۔ (تاریخ سندھ از شرر) لیکن مولوی ابوظفر ندوی کی رائے ہے کہ جے سنگھ کبھی بھی مرتد نہیں ہوا۔ مختصر سیاسی طور پر اس نے عرب گورنر کی مخالفت کی (تاریخ سندھ از مولوی ابوظفر ندوی ص ۱۲۷)

marfat.com

"محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

سنہ ۷۴۰ء میں وہ واپس بُلا لیا گیا۔

اس کی واپسی پر حالات بگڑ گئے۔ حتےٰ کہ مارواڑ، گجرات اور کچھ کی سرحدوں پر جو عرب دستے مقیم تھے، انھیں سندھ میں واپس بُلانا پڑا۔ یہاں بھی بغاوت کی آگ بھڑک اُٹھی۔ جو سندھی مسلمان ہوئے تھے وہ سب سوائے ایک شہر کے اسلام سے مُنحرف ہو گئے اور عربوں کا اقتدار ختم کرنے کے لیے جو تحریک شروع ہوئی تھی اس میں غیر مسلم قبائل کے ساتھ مل گئے۔ حالات اس قدر بگڑے کہ عرب مسلمانوں کو اپنی بیشتر چھاؤنیاں خالی کرنی پڑیں اور بعض میں تو وہ اپنا قبضہ پھر کبھی نہ جما سکے[1]۔

جنید کی جگہ جو گورنر مقرر ہُوا تھا وہ ایک سال کے اندر مر گیا اور نئی صورتِ حالات کا تدارک اس کے جانشین حکم کو کرنا پڑا۔ اس نے بڑی ہوش، سمجھ اور قابلیت سے کام لیا۔ سب سے پہلا کام ان منتشر عرب فوجوں کو بچانا تھا جو ایک مخالف آبادی کے درمیان گھر گئی تھیں۔ چنانچہ حکم نے دریائے سندھ کے دہانے کے مشرق کی طرف (موجودہ حیدر آباد سندھ کے قریب) ایک مُستحکم مقام چُنا۔ اور تمام عرب فوجوں کو اس کے اندر جمع کیا۔ اس کا نام رکھا گیا محفوظہ (یعنی جائے حفاظت)۔ جب یہ مرحلہ طے ہو گیا تو یہاں سے پُوری تیاری اور مناسب تدابیر کے ساتھ مُلک کے مختلف حصّوں میں فوجی دستے بھیجے گئے، جو باغیوں کی سرکوبی کرتے۔ حکم کی یہ پالیسی اس قدر کامیاب رہی کہ جلد ہی سندھ کے طول و عرض پر عربوں کا دوبارہ تسلّط ہو گیا اور انھیں ایک بڑی فتح ہوئی۔ چنانچہ محفوظہ کے بالمقابل (دریائے سندھ کے دہانے کی مغربی جانب) خلیفہ وقت منصُور کے نام پر ایک اور شہر آباد کیا گیا جس کا نام

---

[1] اس کے کوئی ڈیڑھ سو سال بعد بلاذری لکھتا ہے کہ مسلمان عربوں کے بعض مرکز پھر کبھی آباد نہ ہوئے اور "ابھی تک وہ خالی ہیں"۔ (منقولہ در تاریخ سندھ مرتبہ مولوی ابوظفر ندوی ص ۱۳۷)

marfat.com

"محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

منصورہ (یعنی مقامِ فتح) قرار پایا اور جو سندھ کا نیا دارالخلافہ تجویز ہُوا۔

ان سارے انتظامات میں حکم کا دستِ راست محمدؒ بن قاسم کا بیٹا عمر بن محمدؒ تھا جو حکم کی وفات کے بعد ایک قلیل مدت کے لیے سندھ کا گورنر بھی رہا۔

اب تک عرب میں اموی خلفا کی حکومت تھی، جن کا دارالسلطنت دمشق تھا۔ ۷۵۰ء میں ان کی جگہ عباسی برسرِ عروج ہوئے اور بغداد پایۂ تخت قرار پایا۔ عباسی گورنروں میں سب سے کامیاب ہشام تھا جو ۷۵۷ء میں سندھ میں آیا۔ وہ جہازوں کا ایک بیڑہ لے کر کاٹھیاواڑ کے ساحل پر کندہار نام ایک جگہ پر حملہ آور ہُوا اور اپنی فتح کی یادگار میں یہاں ایک مسجد بنوائی، جو گجرات میں سب سے پہلی مسجد تھی۔ اس کے بعد اس نے شمال کا رُخ کیا اور کشمیر کے بعض سرحدی مقامات فتح کیے۔

فتح سندھ کے ساٹھ ستر سال بعد تک تو عرب فاتحین کا پلّہ بھاری رہا، لیکن اب ان میں یمنی اور حجازی کا جھگڑا شروع ہوگیا، جس نے عرب حکومت کو کمزور کر دیا۔ جب عرب حاکم اپنے قبائلی اختلافات میں اُلجھے ہوئے تھے تو مقامی قوموں نے سر اُٹھایا۔ چنانچہ شمالی سندھ میں جاٹوں نے اور جنوب میں میڈ (Meds) قوم کے لوگوں نے بغاوتیں کیں اور مُلک کے بعض حصّے خود مختار ہوگئے۔ آہستہ آہستہ خلیفۂ بغداد کا اس دُور اُفتادہ مملکت سے برائے نام تعلق رہ گیا اور ۸۵۴ء میں ہباری خاندان کی موروثی حکومت شروع ہوئی، جو ابتدا میں تمام مفتوحہ ممالک پر حکمران تھا، لیکن ۹۰۲ء میں مُلتان کے بنو سامہ نے اپنی خود مختاری کا اعلان کیا اور اس وقت سے عرب مقبوضات مُلتان اور منصورہ کی خود مختار ریاستوں میں منقسم ہوگئے۔ اس دوران میں روہڑی کے قریب ہندوؤں نے اپنی ریاست قائم کر لی۔ چنانچہ مُلتان اور منصورہ ایک دوسرے سے علٰحدہ ہوگئے۔ ریاست مُلتان کے تابع بالائی (شمالی) سندھ کا علاقہ تھا۔ اور منصورہ کے زیرِ نگیں زیریں (جنوبی) سندھ کا۔

marfat.com

"محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

اس زمانے میں اسمٰعیلی عقائد کے لوگ جنھیں قرمطی کہتے ہیں، مصر اور شام پر قابض تھے اور قاہرہ میں انھی عقائد کے ماننے والے فاطمی خلفا کی حکومت تھی۔ بغداد اور مشرقی علاقے عباسیوں کے ماتحت تھے۔ جن سے فاطمیوں کی سخت عداوت تھی۔ چنانچہ قرمطی داعی اور مبلغ عباسیوں کے علاقوں میں جاکر اپنے مذہب اور فاطمیوں کی بیعت کی تلقین کرتے تھے۔ دُور افتادہ سندھ بھی ان کی کوششوں کا بڑا مرکز بن گیا۔ پہلا اسمٰعیلی داعی سنہ ۲۷۰ھ (۸۸۳ء) میں سندھ میں آیا[1] اور اپنے مذہبی اور سیاسی خیالات کی اشاعت میں مشغول ہوگیا۔ اس کے بعد دوسرے داعی آئے اور مُلک کو انقلاب کے لیے تیار کرتے رہے۔ جب ان کی کوششیں کامیاب ہوتی نظر آئیں تو قاہرہ سے جلم بن شیبان کو فوجی مدد کے ساتھ بھیجا گیا۔ جس نے ۹۷۷ء میں ملتان پر اچانک حملہ کرکے قبضہ کرلیا۔ اب ملتان میں فاطمی خلفاء کا سکہ اور خطبہ جاری ہُوا اور قرمطی عقائد کی تبلیغ شروع ہوئی۔ ملتان میں اس زمانے میں ایک بڑا مندر تھا جس میں ایک قدیمی مورتی تھی۔ محمدؒ بن قاسم نے اس مندر کو برقرار رہنے دیا تھا اور اس کے قریب ایک نئی جامع مسجد تعمیر کی تھی۔ لیکن قرمطیوں نے وہ مسجد تو بند کرادی اور مندر کو گرا کر اس کی جگہ ایک دوسری جامع مسجد تعمیر کی۔ ۱۰۱۰ء میں ایک اور قرمطی حاکم ابوالفتح داؤد ملتان کے تخت پر قابض تھا۔ اس نے لاہور کے راجا جے پال کو سلطان محمود غزنوی کے خلاف مدد دی تھی۔ کچھ اس وجہ سے اور کچھ غالباً اس لیے کہ بغداد کا عباسی خلیفہ جس کے نام کا خطبہ سلطان محمود غزنوی کی سلطنت میں پڑھا جاتا تھا، فاطمی خلفا کے اقتدار کو ملتان و سندھ سے نیست و نابود کرنے کی ترغیب دیتا تھا۔ سلطان نے ملتان پر حملہ کرکے فتح کرلیا۔ قرمطی یہاں سے بھاگ کر منصورہ گئے اور اس شہر پر قابض ہوگئے، لیکن اٹھارہ سال بعد (سفرِ سومنات سے واپسی پر) محمود نے

---

[1] تاریخ سندھ مرتبہ مولوی ابوظفر ندوی ص ۲۰۰

marfat.com

"محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

منصورہ کو بھی فتح کر لیا اور سندھ کا کُل علاقہ سُنّی بادشاہوں کے تابع ہو گیا۔

علمی اور تمدنی روابط

عرب اور ہند و پاکستان کے تجارتی تعلقات پرانے ہیں لیکن جب سندھ عرب حکومت کا ایک ماتحت صُوبہ بن گیا تو عربوں اور اِس سرزمین کے باشندوں (بالخصوص سندھیوں) کے درمیان گہری راہ و رسم کا دروازہ کُھل گیا اور پھر جب عباسیوں نے دمشق کی جگہ بغداد کو اپنا دارالحکومت بنایا تو "ہند و سندھ" سے عربوں کا علمی، مذہبی اور سیاسی مرکز اَور بھی قریب ہو گیا۔ اس قرب سے خلفاے بغداد نے بہت فائدہ اٹھایا اور ہندوستان کی علمی ترقیوں سے اپنے آپ کو پُوری طرح باخبر کیا۔ عرب اس وقت دنیا کی ساری قوموں سے سربلند تھے۔ چین کی سرحد سے اسپین کے ساحل تک ان کا پرچم لہرا رہا تھا، لیکن وہ جانتے تھے کہ دُنیاوی تفوق حاصل کرنے اور حاصل کر کے اسے برقرار رکھنے کے لیے ضروری ہے کہ "دَعْ مَا کَدَرَ وَخُذْ مَا صَفَا" کے اصول پر عمل ہو اور علمی ترقیاں جہاں کہیں بھی ہوں ان سے خبردار رہا جائے۔ ہندوستانی ان کے محکوم تھے لیکن انھوں نے محکوموں اور ماتحتوں سے سبق سیکھنے سے گریز نہ کیا اور کئی ہندوستانی کُتب کو عربی میں منتقل کر کے ان کے مطالب اخذ کیے۔

ہندوستان کی پہلی کتاب جس کا عربی میں ترجمہ ہُوا، سدھانت تھی۔ ۷۷۱ء میں سندھ کے ایک وفد کے ساتھ ہیئت اور ریاضیات کا ایک فاضل پنڈت یہ کتاب لے کر بغداد پہنچا اور خلیفہ کے حکم سے ایک عرب ریاضی دان نے اس کا عربی میں ترجمہ کیا۔ یہ کتاب علمِ ہیئت میں تھی اور عربی میں "السندہند" کے نام سے مشہور ہوئی۔ اس کتاب نے عربوں کے علمِ ہیئت پر گہرا اثر ڈالا۔ ہندو فاضل کے بغداد میں کئی شاگرد ہوئے، جنھوں نے سدھانت کے اصولوں کو اپنے اپنے طرز پر عربی میں منتقل کیا۔ اس کے تھوڑے عرصہ بعد اس علم کی مشہور یونانی کتاب مجسطی کا عربی میں ترجمہ ہو گیا۔ اور خلیفہ مامون کے زمانے

marfat.com

"محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

میں ایک رصد خانہ تیار ہو جانے سے کئی نئی تحقیقات ہوئیں، لیکن ان سب ترقیوں کے باوجود ایک مُدت تک عرب ہیئت دان بغداد سے لے کر اسپین تک اس ہندی کتاب سدھانت کے پیچھے لگے رہے۔ اس کے خلاصے کیے۔ اس کی شرحیں لکھیں۔ اس کی غلطیاں درست کیں۔ اس میں اصلاحیں کیں۔ یہاں تک کہ گیارھویں صدی عیسوی یعنی البیرونی کے زمانے تک یہ سلسلہ قائم رہا۔ اب بھی عربی میں علمِ ہیئت کی چند اصطلاحیں ایسی باقی ہیں جن میں ہندوستانی علمِ ہیئت کا اثر نظر آتا ہے۔

علمِ ہیئت کے علاوہ علمِ حساب میں بھی عرب ہندوستانیوں سے اور تمام اہلِ مغرب عربوں سے مستفید ہوئے۔ عربوں کا بیان ہے کہ انھوں نے حسابی رقم (ہندسے) لکھنے کا طریقہ ہندوؤں سے سیکھا۔ اس لیے وہ ہندسوں کو حسابِ ہندی یا ارقامِ ہندیہ کہتے تھے۔ اقوامِ یورپ نے یہ ہندسے عربوں سے سیکھے اس لیے وہ انھیں Arabic Numerals یا اعدادِ عربیہ کہتے ہیں۔ اس سے پہلے عرب لفظوں میں عدد لکھتے تھے۔ پھر حروفِ ابجد میں لکھنے لگے اور اہلِ مغرب رومن ہندسوں میں (جن کا استعمال بہت پیچیدہ تھا) اعداد کو بیان کرتے تھے۔ یہ امر صحیح طور پر معلوم نہیں کہ "ارقامِ ہندیہ" عرب میں کب پہنچے۔ لیکن خیال ہے کہ جو پنڈت سدھانت لے کر بغداد گیا تھا، اسی نے عربوں کو حساب کا نیا طریقہ سکھایا ہوگا۔

علمِ ہیئت اور حساب کے علاوہ ہندوستانی طب پر عربوں کی خاص نظر تھی اور ہندوستان کے وید عرب میں بڑے مقبول تھے۔ ایک دفعہ خلیفہ ہارون رشید سخت بیمار پڑا اور تمام عرب اطبا اس کے علاج سے عاجز آ گئے۔ اس پر ایک شخص نے مشورہ دیا کہ ہندوستان سے منکہ (مانک؟) نامی وید کو بُلایا جائے۔ چنانچہ خلیفہ نے سفرِ خرچ بھیج کر اسے بُلوایا اور اس کے علاج سے خلیفہ کو صحت ہو گئی۔ خلیفہ نے خوش ہو کر اسے بہت انعام و اکرام دیا اور

marfat.com

"محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

پھر اسے دارالترجمہ میں سنسکرت کی کتابیں ترجمہ کرنے پر مامور کیا۔ اسی طرح ایک اور ہندوستانی طبیب نے ہارون رشید کے چچازاد بھائی کا جب وہ مرض سکتہ میں مبتلا تھا اور دربار کے یونانی عیسائی طبیب نے اس کی موت کا حکم لگا دیا تھا، کامیاب علاج کیا۔ عباسی خلفا کے مشہور برمکی وزرا کے شفاخانے کا افسرِ اعلیٰ بھی ایک ہندوستانی تھا اور وہ دوسرے اطبا کے ساتھ سنسکرت سے عربی میں کتابیں ترجمہ کرنے پر مامور تھا۔ علمِ طب کی جو کتابیں سنسکرت سے عربی میں منتقل ہوئیں، ان میں سشرت اور چرک کی کتابیں خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ دو کتابیں جڑی بوٹیوں کے متعلق تھیں۔ ایک ہندو پنڈتانی کی لکھی ہوئی ایک کتاب کا ترجمہ ہوا، جس میں عورتوں کی بیماریوں کے علاج درج تھے۔ زہروں کے اثرات اور ان کی پہچان کے متعلق بھی کتابیں ترجمہ ہوئیں۔ جانوروں کے علاج میں چانکیہ پنڈت کی کتاب بھی عربی میں منتقل ہوئی۔ عربوں نے ہندی علمِ طب سے جس طرح فیض حاصل کیا اس کے اثرات بعض دواؤں کے ناموں میں دیکھے جا سکتے ہیں۔ مثلاً مشہور دوا اطریفل (تری پھل، یعنی تین پھلوں، ہلیلہ۔ بلیلہ اور آملہ کا مرکب) ہے۔ عودِ ہندی۔ قسطِ ہندی۔ تمرِ ہندی بھی انھی اثرات کی یادگار ہیں۔

حکمت و دانش کی بھی کئی کتابیں سنسکرت سے عربی میں ترجمہ ہوئیں۔ ان میں سے کلیلہ و دمنہ اور بوذاسف و بلوہر دنیا کی اہم ترین کتابوں میں سے ہیں۔ کلیلہ و دمنہ پنچ تنتر کا ترجمہ ہے۔ پہلے یہ کتاب سنسکرت سے فارسی میں ساسانیوں کے عہدِ حکومت میں منتقل ہوئی۔ پھر دوسری صدی ہجری میں عبداللہ بن المقفع نے اسے عربی میں ترجمہ کیا۔ اصل فارسی ترجمہ تو کھو گیا، لیکن عربی ترجمہ سلامت رہا اور یہ کتاب اس قدر مقبول ہوئی کہ نظم اور نثر میں کئی دفعہ منتقل ہوئی اور پھر عربی سے دنیا کی سب مہذب زبانوں میں اس کے ترجمے ہوئے۔ بوذاسف و بلوہر کو کلیلہ و دمنہ کی سی عام شہرت حاصل نہیں ہوئی، لیکن اس کی اہمیت اور

marfat.com

"محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

بلندی کلیلہ و دمنہ سے بڑھ کر ہے۔ یہ کتاب گوتم بدھ کی پیدائش، تربیت اور حکایات و تمثیلوں کے پیرائے میں ایک جوگی سے دُنیا کے سربستہ رازوں پر اس کی گفتگو کا بیان ہے۔ مذہبی حلقوں میں یہ کتاب اس قدر مقبول ہوئی کہ عیسائیوں نے اس کو اپنے ایک مذہبی عالم سے منسوب کیا اور مسلمانوں کے ایک فرقہ نے اسے اپنے امام کی تصنیف بتایا۔ رسائل اخوان الصفا میں جو چوتھی صدی کی نیم مذہبی اور نیم فلسفیانہ تصنیف ہے، اس کتاب کے کئی ابواب ہیں۔

ان کے علاوہ اور کئی کتابیں ہندوستان سے عرب پہنچیں۔ بعض قصہ کہانیوں کی تھیں، بعض ہندوستان کے جادو منتر، کیمیا اور علم جوتش کے متعلق تھیں۔ مہابھارت کا خلاصہ بھی عربی میں مرتب ہُوا۔ دو کتابیں تسناق (چانکیہ) اور ویاگھر کی علم حکومت اور فنونِ جنگ کے متعلق تھیں۔ تیسری کتاب کا ترجمہ ادب الملک کے نام سے مرتب ہُوا۔

ان تعلقات کے علاوہ بعض مستشرقین کا خیال ہے کہ اسلام میں تصوف کا آغاز بھی ہندوستانی اثرات کی وجہ سے ہُوا۔ بنی امیہ کے زمانے میں کئی ہندوستانی بصرے کے دفترِ خزانہ میں ملازم تھے۔ خلیفہ معاویہؓ کی نسبت کہا جاتا ہے کہ انھوں نے مُلکِ شام میں انطاکیہ کے نزدیک اور حجاج نے کاشغر کے قریب بہت سے ہندوستانی آباد کیے۔ پروفیسر نکلسن لکھتے ہیں: "خلفا کے علاقوں میں سیاہ چشم ہندو اور مسلمان ایک ساتھ رہتے تھے۔ اسلامی حکومت کے مشرقی حصے یعنی خراسان۔ افغانستان۔ سیستان اور بلوچستان کے لوگ مسلمان ہونے سے پہلے ہندو مذہب یا بدھ مت کے پیرو تھے۔ بلخ میں بدھ مت کا ایک بہت بڑا عبادت خانہ تھا، جس کے مہتمم کا نام برمک تھا۔ عباسیہ خاندان کے مشہور وزراء اسی برمک کی اولاد سے تھے۔"

عربوں نے بدھ مت کی کئی کتابوں کا ترجمہ کیا۔ عرب مصنفین (مثلاً الندیم الاشعری۔ شہرستانی) کی تصانیف میں ہندوستانی مذاہب اور فلسفہ کے متعلق

marfat.com

"محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

مُستقل ابواب ہیں۔ ان کے علاوہ اس زمانے کے اسلامی لٹریچر میں بُدھ سادھوؤں اور یوگیوں کا ذکر بالوضاحت ملتا ہے۔ ان تعلقات کی بنا پر بعض یورپین مستشرقین کی رائے ہے کہ ان ہندوستانی اثرات کے راستے کئی خیالات جن کا سُراغ قرآن مجید یا احادیث یا سیرت نبوی میں نہیں ملتا۔ تصوّف میں داخل ہو گئے۔

مذہبی حالت

سندھ میں عربوں کی حکومت دیر تک برقرار رہی اور بعض شہروں میں ان کی نوآبادیاں قائم ہو گئیں جن میں عالم فاضل لوگ بھی تھے، لیکن قرائن سے خیال ہوتا ہے کہ انھوں نے عوام میں اشاعت اسلام کی کوئی منظم کوشش نہ کی اور سندھ کی بیشتر آبادی کا تبدیلِ مذہب آہستہ آہستہ اور کئی تدریجی منزلوں سے گزرنے کے بعد ہُوا۔ معاصرانہ تواریخ سے خیال ہوتا ہے کہ دیبل اور دوسری جگہوں پر جہاں عربوں کی نوآبادیاں تھیں علماء کی کمی نہ تھی۔ قاضی عبدالکریم سمعانی (المتوفی ۵۶۲ھ) نے محدثین کا ذکر کیا ہے، جو دیبل میں گزرے ہیں۔ اپنی مشہور کتاب الانساب میں اپنے معاصرین اور متقدمین کا شہروں اور علاقوں کے انتساب سے ذکر کیا ہے۔ اس میں دیگر ممالک کی طرح ہندوستان کا بھی ذکر ہے۔ اور سندھ۔ دیبل۔ منصورہ اور لاہور کے کئی بزرگوں کے مختصر حالات درج ہیں۔ مثلاً ابو معشر نجیح سندھی، جو نومُسلم تھے اور مدینہ منوّرہ میں مدّت تک رہنے کی وجہ سے مدنی کہے جاتے تھے۔ اپنے

لہ یہ کتاب گب میموریل سیریز میں شائع ہو چکی ہے۔ نزہت الخواطر جلد اوّل میں اس سے استفادہ کیا گیا ہے۔

سب سے پہلے جس اہلِ تصنیف جرگ کے سندھ میں آنے کا بالوضاحت نام ملتا ہے۔ وہ ربیع بن نجیح السعدی البصری تھے، جو ۱۵۹ھ میں فوج کے ہمراہ یہاں تشریف لائے۔ کشف الظنون کے مطابق آپ نے تدوینِ حدیث میں حصہ لیا اور بعض کا خیال ہے کہ آپ ہی اسلام میں پہلے مصنّف و مرتّب تھے۔ آپ تابعی تھے۔ طبقات ابن سعد کے بیان کے مطابق آپ نے ۱۶۰ھ میں وفات پائی۔ اور جزیرۂ سندھ (کذا) میں مدفون ہوئے۔

marfat.com

"محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

زمانے میں فنِ مغازی و سیر کے امام تھے بلکہ مورخین آپ کو ان بزرگوں کی فہرست میں شامل کرتے ہیں، جو فنِ سیر و مغازی کو اولاً قیدِ تحریر میں لائے۔ آپ کی وفات ۱۷۰ھ میں ہوئی اور آپ کی شہرت کا یہ عالم تھا کہ آپ کی نمازِ جنازہ خلیفہ ہارون رشید نے پڑھائی۔

دوسرے نومسلم محدث رجاء السندھی تھے، جو ایران میں قیام کی وجہ سے (؟) اسفرائنی کہلانے لگے۔ انھیں بعض بزرگوں نے "رکن من ارکان الحدیث" لکھا ہے۔ ۳۲۱ھ میں وفات پائی۔ ان کے بیٹے بھی بڑے ممتاز محدث تھے اور بغداد میں درس دیا کرتے تھے۔

معلوم ہوتا ہے، سندھ میں علم حدیث سے دلچسپی فروغ پر تھی۔ چنانچہ بیت المقدس کے عرب سیاح عالم البوالقاسم جو سلطان محمود کی فتوحات سے پچیس سال پہلے سندھ میں آئے تھے۔ اہل سندھ کی نسبت لکھتے ہیں: "واکثرھم اصحاب حدیث"۔ علامہ سمعانی نے متعدد محدثین اور علما کا ذکر کیا ہے، جو سندھ کے مختلف شہروں میں تھے۔ ان کے علاوہ ایک عربی سندھی شاعر ابوعطا سندھی کا نام بھی ملتا ہے، جس کے عربی اشعار کے اہل عرب معترف تھے۔ بایزید بسطامیؒ کے حالات سے پتا چلتا ہے کہ ان کا ایک اُستاد ابوعلی سندھی تھا۔ نفحات الانس میں مولانا جامی نے شرح شطحیات شیخ روزبہان بقلی کے حوالے سے لکھا ہے۔ "بایزید گوید من از ابوعلی علم فنا و توحید آموختم و ابوعلی از من الحمد و قل ھو اللہ احد"[1] لیکن اگرچہ یہ تعلق تصوف کی تاریخ میں بڑا اہم ہے۔ [اور مولانا جامی نے نفحات الانس میں ہندو پاکستان کے فقط چھ سات صوفیہ کا ذکر کرنے کے باوجود ابوعلی سندھی کا ذکر ضروری سمجھا ہے] لیکن اس مختصر بیان کے علاوہ ابوعلی سندھی کی نسبت کوئی دوسری اطلاع نہیں ملتی۔

---

[1] نفحات الانس ص ۶۰

marfat.com

"محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

ایک عرب سیاح مقدسی نے اپنے سفرنامہ میں منصورہ کے متعلق لکھا تھا "میں نے یہاں قاضی ابو محمدؒ منصوری کو دیکھا جو داؤدی (امام داؤد ظاہری کے پیرو) تھے اور اپنے مذہب کے امام ہیں اور ان کی بہت سی اچھی تصنیفات ہیں۔" مقدسی نے سندھی مسلمانوں کی تعریف کی ہے: "ان کے ہاں اسلام کو تازگی حاصل ہے اور علم اور اہلِ علم یہاں بہت ہیں۔" ..

غالباً یہ بیان عرب آبادکاروں کے متعلق ہوگا۔ کیونکہ یہی سیاح آگے چل کر لکھتا ہے: "اہلِ ذمہ بُت پُوجتے ہیں[1]۔ مسلمانوں میں واعظوں کا وجود نہیں"۔ شاید اس کا مطلب یہ ہے کہ مسلمان مبلغ اہل ذمہ میں جاکر وعظ کرنے والا کوئی نہ تھا۔ ورنہ جس جگہ اہلِ علم کثرت سے ہوں، وہاں خطیب اور مسلمانوں کی ضروریات پوری کرنے والے واعظ تو ضرور ہوں گے۔

منصورہ کی قابلِ ذکر ہستیوں میں ایک عرب نوجوان کا بھی بیان آتا ہے، جس نے الور (روہڑی) کے ہندو راجا کی استدعا پر قرآن مجید کا سندھی زبان میں ترجمہ کیا تھا۔

مقدسی نے سندھ کے دوسرے شہروں کی نسبت جو واقعات بیان کیے ہیں، ان سے پتا چلتا ہے کہ منصورہ کے باہر علم و فضل کو وہ رونق نہ تھی جو سندھ کے اس قدیمی دارالخلافہ[2] کو تھی، جہاں عرب کثرت سے موجود تھے۔ مثلاً مکران کے مستقر الحکومت کی نسبت مقدسی کا بیان ہے:-

"جو لوگ بازاروں میں چلتے پھرتے ہیں، صرف برائے نام مسلمان ہیں۔ کیونکہ ان میں مسلمانوں کی سی کوئی بات نہیں۔ زبان یہاں کی بلوچی ہے ..... اچھی اچھی

---

[1] یہ قابلِ ذکر ہے کہ مقدسی کی آمد کے وقت ہندوؤں سے جزیہ نہیں لیا جاتا تھا۔ پتا نہیں اس کا باعث حکومت کی کمزوری تھی یا یہ فتویٰ کہ بُت پرست ذمی نہیں ہو سکتے۔ (تاریخ سندھ از مولوی عبدالحلیم شرر جلد دوم صہ ۱۴)

[2] اس وقت سندھ مختلف حکومتوں میں بٹ چکا تھا اور مکران، منصورہ اور ملتان میں جداگانہ حاکم تھے۔ ملتان میں خلیفہ بغداد کے ساتھ ساتھ بعض اوقات شیعہ خاندان بویہ کے فرمانروا عضدالدولہ کا نام لیا جاتا تھا۔

marfat.com

"محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

کارواں سرائیں ہیں اور جامع مسجد بھی اچھی ہے۔ مگر عام علم و فضل یہاں کے لوگوں میں نہیں۔"

اس کے علاوہ سندھ میں بھی ان نیم سیاسی مذہبی اختلافات کا پرتو پڑتا تھا، جنھوں نے ممالک عرب و ایران و مصر کو اسمٰعیلی۔ عباسی کشمکش کی وجہ سے ایک کارزار بنا رکھا تھا۔ مثلاً اگرچہ مقدسی لکھتا ہے کہ علاقہ ملتان میں امام ابوحنیفہ کے مقلد کثرت سے تھے اور مختلف فرقوں میں کوئی جھگڑا نہ تھا، لیکن صاف نظر آتا ہے کہ اس زمانے میں (۳۷۵ ہجری کے قریب) اس علاقے پر اسمٰعیلی اثرات پوری طرح غالب آچکے تھے:۔

"اہلِ ملتان شیعہ ہیں۔ اذان میں حی علیٰ خیر العمل کہتے ہیں اور تکبیر دو دفعہ کہتے ہیں.... ..... اور ملتان والوں کا سکہ (مصر کے اسمٰعیلی، فاطمیوں کے مثل ہے .... ملتان میں خلفاے بنی فاطمہ کا خطبہ جاری ہے اور یہاں کوئی حکم بغیر ارضِ مصر کے فاطمی خلیفوں کی منظوری کے اجرا نہیں پاتا۔ اہلِ ملتان کے ہدایا اور قاصد برابر مصر میں آتے جاتے رہتے ہیں اور مصر کے اسمٰعیلیوں کا یہاں اس قدر زور ہے کہ بغیر ان کی اجازت کے یہاں کوئی شخص ملتان کے تخت پر نہیں بیٹھ سکتا (ملاحظہ ہو مقدسی کی احسن التقاسیم فی معرفت الاقالیم کا ترجمہ و اختصار مولانا عبدالحلیم شرر کی تاریخِ سندھ میں جلد دوم صہ ۱۲۳-۱۲۵)

مقدسی کے بیان سے خیال ہوتا ہے کہ اس کے سفر کے زمانے میں عرب آبادکاروں کی مذہبی حالت اچھی تھی، لیکن جہاں تک مقامی باشندوں کا تعلق ہے،

لہ عرب سیاحوں، جغرافیہ نویسوں اور تاریخ نگاروں کی داد دینی چاہیے کہ ان کی بدولت ہمیں اس زمانے کی عام تمدنی حالت اور علمی و ادبی مشاغل کے متعلق ایسی تفاصیل حاصل ہیں، جو بعد کے سندھ یا ملک کے دوسرے حصوں (مثلاً بنگالہ) بلکہ خود عہدِ غلاماں کی دہلی کے متعلق موجود نہیں۔ [اس سلسلے میں ملاحظہ ہو سید ابوظفر ندوی کی تاریخ "سندھ کے حصص" "سندھ کی تمدنی تاریخ" اور "سندھ کے علما و شعرا"]

marfat.com

"محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

ان کی رُوحانی زندگی میں صدیوں تک ایک عجیب کھلبلی مچی رہی۔ فتوح البلدان میں لکھا ہے کہ فتح سندھ کے جلد بعد خلیفہ عمر بن عبدالعزیز کے زمانہ خلافت میں سندھ کے بعض قبیلے دائرۂ اسلام میں آئے، لیکن اسی کتاب میں لکھا ہے کہ اس کے چند سال بعد کتنے ہی قبیلے اسلام سے منحرف ہو گئے۔ اس کے بعد سندھ اسمٰعیلی اور قرمطی مبلغوں کا بازی گاہ بنا رہا اور مسعودی کے زمانہ سفر میں ہی یہ لوگ مُلتان اور مکران پر چھائے ہوئے تھے۔ اس زمانے میں تبلیغ کے لیے سب سے زیادہ منظم اور باقاعدہ کوششیں انھی لوگوں نے کیں اور ان کے مخلوط مذہبی نظام نے سندھ کے قدیمی مذہب اور اسلام کے درمیان ایک پُل کا کام دیا۔ ان لوگوں کی کوششوں اور عام روحانی بدنظمی سے جو حالت پیدا ہو گئی تھی، اس کا اندازہ سومرہ خاندان کے حالات دیکھ کر ہو سکتا ہے، جن کے نام ہندوانہ تھے اور مذہب کی نسبت یقین سے کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ سمہ خاندان کے زمانے میں اسلامی اثرات غالب آ گئے تھے، لیکن اس کے بعض حکمرانوں کے نام بھی ہندوانہ تھے اور یقیناً اُن کے رسم و رواج میں بھی کئی باتیں ہندوؤں کی باقی رہ گئی ہوں گی۔ سمہ خاندان کی ڈیڑھ سو سال کی حکومت کے بعد یہ حالت تھی کہ جب ۱۴۷۲ء میں احمد آباد کے حاکم سلطان محمود بیگڑہ نے سندھ پر حملہ کیا تو اس وقت بھی کئی سندھی مسلمان برائے نام مسلمان تھے۔ چنانچہ بادشاہ ان کے کئی سرداروں کو جونا گڑھ لے گیا اور انھیں مسلمانوں کے سپرد کیا تاکہ وہ انھیں مذہبِ حنفیہ کے مطابق سُنتِ نبوی کا طریقہ سکھائیں۔

(تاریخ فرشتہ جلد دوم ص ۱۹۹)

شیخ ابُوتراب تبع تابعی

(وفات ۷۸۸ء)

موجودہ سندھ (بلکہ ہند و پاکستان) میں عہدِ اسلامی کی سب سے قدیمی زیارت گاہ شیخ ابوتراب کا مزار ہے۔ تحفۃ الکرام کے مصنف کا بیان ہے کہ شیخ ایک بزرگ تبع تابعی تھے اور عباسی خلفا کے عہدِ حکومت میں ضلع ساکورہ اور اس علاقے کے مضبوط قلعہ تھرہ (؟)۔ شہر بکار (بھکر) اور مغربی سندھ کے بعض مواضعات پر قابض تھے۔

marfat.com

"محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

آپ کا مزار زیارت گاہِ خاص و عام ہے اور اس کے گنبد پر تاریخ بنا ۱۱۷۱ھ درج ہے۔ (تحفۃ الکرام جلد ۳ صر ۲۶) مولوی ابوظفر ندوی کا خیال ہے کہ شیخ ابوتراب غالباً "والی سندھ کی طرف سے قلعہ دار ہوں گے (بطور کمشنر)" سندھ گزیٹر میں لکھا ہے کہ شیخ ابوتراب نے بھکر کا قلعہ فتح کیا اور بہادری کے دوسرے کارہائے نمایاں دکھائے۔ آپ کا مزار ٹھٹہ سے کوئی دس میل کے فاصلے پر تحصیل میرپور ساکرو میں موضع گوجو کے قریب ہے۔ اس پر ۱۱۷۱ ہجری (یعنی ۱۷۵۸ عیسوی) کی تاریخ درج ہے (صر ۹۱) آپ کے مزار پر ہر مہینے چھوٹا سا میلہ لگتا ہے اور عوام الناس نے آپ کو ایک باکرامت پیر بنا دیا ہے۔ مقامی روایت ہے کہ اس علاقے میں تھارنہ نام کا ایک ہندو راجا تھا۔ شیخ نے اپنی کرامت سے اسے اور اس کی فوج کو ایک پہاڑی کی صورت میں منتقل کر دیا۔ یہ پہاڑی بھی زائرین کو دکھائی جاتی ہے۔

marfat.com

"محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

ساحلِ ہند پر عربوں کی بستیاں

نوائط محمدؐ بن قاسم کی مہم، جس نے سندھ کی فتح کا سامان کر دیا۔ حجاج بن یوسف کے انتقامی جوش کا نتیجہ تھی اور یہ عجیب اتفاق ہے کہ جنوبی ہندوستان کے ساحلوں پر عرب مسلمانوں کی سب سے قدیم نو آبادیاں بھی حجاج کی بدولت وجود میں آئیں۔ اگرچہ اس میں حجاج کی کوشش بلکہ خواہش کو دخل نہ تھا۔ حجاج امویوں کا ملازم تھا اور ہاشمیوں کا بدترین دشمن۔ مشہور ہے کہ اس نے پچاس ہزار افراد کو جو فریقِ مخالف کے طرف دار تھے، تیغِ ظلم و ستم کا شکار بنایا۔ چنانچہ جہاں کہیں وہ جاتا، بنی ہاشم کے طرف دار ترکِ وطن پر مجبور ہو جاتے۔ جب وہ عراق کا گورنر ہوا تو ہاشمیوں کی ایک بڑی جماعت یہ علاقہ چھوڑ کر ہندوستان[1] آگئی۔ ان میں سے جو لوگ مغربی ساحل (بالخصوص کونکن کے کنارے) پر آباد ہوئے ان کی اولاد کو نوائت (نووارد) یا نوائط، اور جو لوگ راس کماری کے مشرق میں آباد ہوئے اور یہاں کی تامل عورتوں سے شادی کر کے ایک مخلوط قوم کے بانی ہوئے۔ انھیں لبّی (Labbes) کہتے ہیں۔ چونکہ اس زمانے میں ہندو جہاز رانی کو پاپ سمجھتے تھے، اس لیے ان لوگوں نے جہاز رانی اور تجارت سے اپنے نئے وطن میں عزت و وقار حاصل کر لیا۔ اب بھی ساحلی علاقوں کے مسلمانوں میں ان لوگوں کی کثرت[2] ہے۔

---

[1] تاریخ نوائط سے خیال ہوتا ہے کہ سبھی نوائط اس زمانے میں نہ آئے تھے بلکہ بعض نے دوسری صدی ہجری اور بعض نے آٹھویں صدی ہجری میں ترکِ وطن کیا۔ منتخب اللباب میں لکھا ہے کہ شروع شروع میں ہندو راجاؤں کے احکام کی وجہ سے انھیں بڑی احتیاط سے کام کرنا پڑا اور اپنے عقائد اور رسوم کے معاملے میں انھوں نے کئی جگہ تقیہ کیا۔

[2] عام طور پر نوائط لبیوں کو اپنے سے کمتر درجہ دیتے ہیں۔

marfat.com

"محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

صُوبہ بمبئی کے کونکن مسلمان جو اپنے تئیں نوائط کی اولاد بتاتے ہیں، بڑے اچھے جہاز ران ہوتے ہیں اور دکن کے ساحل پر نوائط تاجروں کی اچھی آبادیاں ہیں۔ نوائط بالعموم شافعی مذہب کے پیرو ہیں اور ان میں سے کئی بڑے عالم پیدا ہوئے ہیں۔ بالخصوص مخدوم علی مہائمیؒ جن کا مزار بمبئی کے قریب قصبہ مہائم میں ہے۔ ہندوستان کے سب سے بڑے علماء کے ساتھ جگہ پانے کے مستحق ہیں۔

لنکا ان لوگوں کے علاوہ جو حجاج کے خوف سے یا بعد میں قرمطیوں اور اسمٰعیلیوں کے مذہبی احتساب سے بچنے کے لیے ہندوستان کے ساحلی مقامات پر پناہ گزیں ہوئے۔ عرب اور ایرانی تاجر کثرت سے ان جگہوں میں آتے رہے۔ نقلِ مکان کا یہ سلسلہ ظہورِ اسلام سے پہلے ہی قائم تھا اور جب عرب اور ایران میں اسلام پھیل گیا تب بھی برقرار رہا۔ لنکا میں تو مسلمانوں کے نشانات ہندوستان سے بھی پہلے ملتے ہیں۔ چنانچہ ہم سندھ کی مہم کے ضمن میں کہہ چکے ہیں کہ عربوں اور سندھ کے راجا کے درمیان وجہ مخاصمت یہ تھی کہ سندھ کے بحری ڈاکوؤں نے ان جہازوں کو لُوٹ لیا تھا، جن میں لنکا سے آنے والے مسلمان مرد، عورتیں اور بچے سوار تھے۔

قدیم عربی کتاب عجائب الہند میں لنکا کی نسبت لکھا ہے کہ جب یہاں کے رہنے والوں کو رسولِ اکرمؐ کی بعثت کا حال معلوم ہُوا تو انھوں نے ایک سمجھ دار آدمی تحقیق حالات کے لیے بھیجا۔ جب وہ مدینہ منورہ پہنچا تو رسُولِ اکرمؐ بلکہ حضرت ابوبکر صدیقؓ بھی وصال پا گئے تھے اور حضرت عمرؓ کا زمانہ تھا۔ انھوں نے مُتجسّس حالات سے تمام باتیں تفصیل سے کہیں اور وہ اپنی تشفی کے بعد ہندوستان کی طرف واپس پھرا۔ راستے میں وہ تو مر گیا، لیکن اس کا ایک ہندو نوکر صحیح سلامت لنکا واپس پہنچ گیا۔ اُس نے رسُول اللہ صلعم، حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کا سارا حال بیان کیا۔ اور ان کے فقیرانہ اور درویشانہ طور و طریق کا ذکر کیا اور بتایا کہ وہ کیسے متواضع اور خاکسار ہیں اور پیوند لگے ہوئے کپڑے پہنتے ہیں اور مسجد میں

marfat.com

"محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

سوتے ہیں[1]۔" یہ باتیں لنکا والوں کو پسند آئیں اور مسلمانوں کے ساتھ ان کی محبت بڑھ گئی۔ چنانچہ عجائب الہند کا راوی لکھتا ہے: "اب یہ لوگ مسلمان کے ساتھ جو اس قدر محبت اور میلان رکھتے ہیں، وہ اسی سبب سے ہے[2]۔"

جزائر مالدیو

مالدیو کے مجمع الجزائر میں بھی اسلام اسی زمانے میں پہنچا ہوگا۔ ان لوگوں کے مسلمان ہونے کی عجیب داستان بیان کی جاتی ہے۔ کہتے ہیں کہ یہاں ہر مہینے سمندر سے دیو کی شکل میں ایک بلا آتی تھی اور یہاں کے لوگ اس سے بچنے کے لیے ایک کنواری لڑکی کو بناؤ سنگار کر کے سمندر کے کنارے ایک بت خانے میں چھوڑ آتے تھے۔ اتفاق سے یہاں مراکو کے ایک بزرگ شیخ ابوالبرکات بربری مغربی آئے۔ ان کی دعا اور برکت سے یہ بلا ٹلی اور ان کے ہاتھ پر مالدیو کا راجا اور اس کی تمام رعایا مسلمان ہو گئے۔ ابنِ بطوطہ کا بیان ہے کہ اس نے مالدیو کی مسجد کی محراب پر جسے راجا نے مسلمان ہو کر تعمیر کیا۔ یہ لکھا پایا کہ "سلطان احمد شنوارہ ابوالبرکات مغربی کے ہاتھ پر مسلمان ہوا۔"

ساحلِ گجرات

ساحلِ گجرات کی بندرگاہوں پر بھی مسلمان تاجروں نے جلد اپنی نوآبادیاں قائم کر لیں۔ یہ بندرگاہیں گجرات کے ان راجاؤں کے تابع تھیں، جن کا دارالحکومت (موجودہ جام نگر کے پاس) ولبھی پور تھا۔ اور بعد میں نہروالہ پٹن ہوا۔ ان راجاؤں نے مسلمان تاجروں سے بڑی مروت اور انصاف کا سلوک کیا۔ تمام عرب سیاح (مثلاً سلیمان جس نے اپنا سفرنامہ ۸۴۹ء میں ختم کیا۔ مسعودی جو ۹۱۵ء میں کھنبائت آیا) یک زبان ہو کر لکھتے ہیں کہ ان راجاؤں کو عربوں اور مسلمانوں سے بہت محبت ہے۔ (اگرچہ خالص گجراتی (گوجر) راجے عربوں کے دشمن تھے)۔

مشہور کتاب لباب الالباب کے مصنف عوفی نے جو التتمش کے زمانے میں

---

[1] [2] منقولہ در "عرب و ہند کے تعلقات" از سید سلیمان ندوی۔

marfat.com

"محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

ہندوستان آیا تھا پٹن کے راجاؤں کی انصاف پسندی کی ایک مثال اپنی کتاب جامع الحکایات ولامع الروایات میں درج کی ہے۔ وہ لکھتا ہے: "مجھے ایک دفعہ کھنبائت جانے کا اتفاق ہُوا جو سمندر کے کنارے ایک شہر ہے اور وہاں دیندار مسلمانوں کی ایک جماعت آباد ہے۔ یہاں مَیں نے سُنا کہ راجا جنک کے زمانے میں مسجد تھی۔ اس کے ساتھ ایک مینار تھا جس پر چڑھ کر مسلمان اذان دیا کرتے تھے۔ پارسیوں[1] نے ہندوؤں کو بھڑکا کر مسلمانوں سے لڑا دیا۔ ہندوؤں نے مینار توڑ دیا اور مسجد کو مع اسّی مسلمانوں کے شہید کر دیا۔ مسجد کے امام نے پٹن جا کر راجا کے درباریوں سے مِل کر داد چاہی لیکن کسی نے دھیان نہ دیا۔ امام نے یہ حال دیکھ کر خود ایک دن موقع پا کر جبکہ راجا ہاتھی پر سوار ہو کر باہر جا رہا تھا، ایک نظم کی صُورت میں سارا واقعہ کہہ سنایا۔ راجے نے اس پر اپنے درباریوں سے تو کچھ نہ کہا لیکن انھیں اطلاع دیے بغیر خود بھیس بدل کر کھنبائت گیا اور سب باتوں کی تحقیق کی۔ واپس آ کر اس نے دربار منعقد کیا۔ اپنی تفتیش کا حال بتایا اور حکم دیا کہ پارسیوں اور ہندوؤں میں سے ان سب کو جو مسلمانوں پر ظلم کے مرتکب ہوئے تھے سزا دی جائے۔ اور مسلمانوں کو ایک لاکھ بالوٹرا (گجراتی سکّہ) تاوان ملے تاکہ وہ مسجد اور مینار نئے سرے سے تعمیر کریں۔

ان علاقوں میں ایک دستور تھا کہ مسلمانوں کے معاملات ان کا اپنا آدمی فیصل کرتا تھا جسے ہنرمند کہتے تھے اور بڑے شہروں میں جہاں مسلمانوں کی زیادہ آبادی تھی، راجاؤں نے ہنرمند متعین کر رکھے تھے۔ مسلمانوں نے یہ خاص حقوق (Extra territorial Rights) اپنی حکومتوں میں اجنبی لوگوں کو دیے ہوئے تھے۔ مثلاً ترکی میں یونانیوں۔ روسیوں کے مقدمات ان کی اپنی

---

[1] اصل کتاب میں لفظ "ترسایاں" ہے۔ سید سلیمان ندوی نے اس سے پارسی مراد لیا ہے۔ پروفیسر ہوڈی والا کا خیال ہے کہ اس سے "جین" مراد ہیں۔

marfat.com

"محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

عدالتیں فیصل کرتی تھیں اور مسلمانوں کی سہولت کے لیے گجراتی راجاؤں نے بھی اپنے مُلک میں یہ انتظام کر رکھا تھا۔

گجرات کی جن بندرگاہوں پر مسلمان آباد تھے ان میں سے کھنبایت اور صیمور (جو اب صوبہ بمبئی کے ضلع قلابہ میں چاؤل کے نام سے مشہور ہے) خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ مسعودی کا بیان ہے کہ فقط صیمور میں دس ہزار مسلمان آباد تھے جن میں کچھ ہندوستانی تھے اور کچھ باہر سے آئے ہوئے تھے۔ گجرات کے راجاؤں کی نسبت وہ لکھتا ہے: "سندھ اور ہندوستان کے تمام راجاؤں میں راجا بلہرا (ولبھ راے) کی طرح اور کسی راج میں عربوں اور مسلمانوں کی اتنی عزت نہیں۔ اسلام اس راجے کی حکومت میں معزز اور محفوظ ہے اور اس مُلک میں مسلمانوں کی مسجدیں اور جامع مسجدیں بنی ہیں جو ہر طرح آباد ہیں۔

مالابار

اسلامی اثرات کا دوسرا بڑا مرکز مالابار تھا۔ جہاں موپلا مسلمان آباد ہیں۔ تحفۃ المجاہدین میں منقول ہے کہ تیسری صدی ہجری میں جب مسلمان درویشوں کی ایک جماعت لنکا میں حضرت آدم کے نقشِ قدم کی زیارت کے لیے جا رہی تھی تو بادِ مخالف ان کا جہاز مالابار کے شہر کدنکلور (کدنگانور) کے ساحل پر لے گئی۔ وہاں کے راجا زمورن (سامری) نے ان کی آؤ بھگت کی۔ ان سے ان کے مذہب کا حال دریافت کیا اور ان کے بیان سے اتنا متاثر ہوا کہ جب زائرین لنکا سے واپس آئے تو وہ اپنی حکومت اپنے سرداروں کے سپرد کر کے خود ان کے ساتھ عرب چلا گیا۔ وہاں اس کی تو وفات ہو گئی لیکن مرنے سے پیشتر اس نے عرب درویشوں سے کہا، "ملیبار میں اسلام پھیلانے کی صورت یہ ہے کہ تم لوگ ملیبار سے تجارت اور سوداگری کا کام شروع کرو۔" اور اپنے امراء کے نام ایک وصیت نامہ لکھ کر دیا کہ ان پردیسی سوداگروں سے لطف و محبت کا سلوک کرنا۔ چنانچہ انھوں نے نووارد عربوں سے یہی سلوک کیا اور وہاں کثرت سے عرب سوداگر آنے جانے اور رہنے سہنے لگ گئے۔

marfat.com

"محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

تحفۃ المجاہدین کے اندراجات میں روایتی عنصر موجود ہے، لیکن جیسا کہ ڈاکٹر تاراچند اور مالابار گزیٹر کے مرتب مسٹر انز نے لکھا ہے، ان سے اتنا نتیجہ نکالا جاسکتا ہے کہ کدنگانور کی حکومت ایک پیرامل کی تخت سے دست برداری کے ساتھ ختم ہوگئی، جو غالباً نویں صدی عیسوی میں مسلمان ہُوا۔ ویسے کئی مقامی اثرات ایسے ہیں جن سے تحفۃ المجاہدین کے بیان کی تائید ہوتی ہے۔ مثلاً اب بھی جب سامری گدی نشین ہوتا ہے تو اسے مسلمانوں کے کپڑے پہناتے ہیں اور ایک موپلا اس کے سر پر تاج رکھتا ہے۔ اس کے بعد سامری کو ذات باہر سمجھا جاتا ہے اور نائر یا اعلےٰ طبقے کے ہندو اسے ہاتھ نہیں لگاتے۔ کہا جاتا ہے کہ سامری اپنے اس پیشرو کا جو عرب چلا گیا ہے، نائب ہے۔ جب ٹراونکور کا مہاراجہ تخت نشین ہو کر تلوار حاصل کرتا ہے تو اسے کہنا پڑتا ہے: "میں یہ تلوار اس وقت تک رکھوں گا جب تک میرا چچا جو کہ مکہ معظمہ گیا ہے، واپس نہیں آتا۔"[1]

قطع نظر اس حکایت کے، اس میں کوئی شک نہیں کہ مالابار میں عربوں اور مسلمانوں کی بہت آؤ بھگت ہوئی۔ ان کا لقب موپلا ہُوا جس کا مطلب ہے دولھا یا بڑا بچہ۔ یہ عزت و احترام کا لقب ہے۔ موپلوں کے سردار تھنگل کو سامری کے ساتھ ساتھ پالکی میں جانے کی اجازت ہوتی تھی اور کئی باتوں میں موپلوں کا درجہ نائروں سے زیادہ تسلیم کیا گیا۔[2] تحفۃ المجاہدین میں اس حسن سلوک کی ایک واضح وجہ لکھی ہے: "بحیثیت مجموعی ملیبار کے ہندو راجاؤں کا برتاؤ مسلمانوں کے ساتھ عزت اور مہربانی کا ہے کیونکہ ان کے مُلک میں زیادہ شہروں کا آباد ہو جانا انہی مسلمان تاجروں کی بود و باش کا نتیجہ ہے۔" اس کے علاوہ راجاؤں کو مسلمانوں کی

---

[1] ملاحظہ ہو ڈاکٹر تاراچند کی کتاب "Influence of Islam on Indin Culture"

[2] یہ سب تفصیلات ڈاکٹر تاراچند کی کتاب " " " " " " میں درج ہیں۔

marfat.com

"محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

جہاز رانی کے لیے بھی ضرورت تھی، جس سے ہندو متنفر تھے۔ مسٹر انز کا بیان ہے کہ اُن جہازوں پر کام کرنے کے لیے جن پر سامری کی خوشحالی کا مدار تھا، سامری نے تبدیل مذہب میں خاص طور پر مدد دی۔ اس نے حکم دیا کہ ماہی گیروں کے ہر خاندان میں سے کم از کم ایک لڑکے کی مسلمانوں کی طرح تعلیم و تربیت کی جائے۔ ان تمام اثرات کا نتیجہ یہ ہُوا کہ جلد ہی اس علاقے میں مسلمانوں کی تعداد معقول اور ان کا اثر وسیع ہوگیا۔ جب ابنِ بطوطہ نے آٹھویں صدی ہجری میں کھنبائت سے چین کا سفر کیا۔ تو اس نے مالابار کے ساحل پر جا بجا مسلمانوں کی معقول آبادیاں دیکھیں۔ ضلع کاردار صوبہ بمبئی کی قدیم بندرگاہ ہونادر میں سلطان جمال الدین ایک ہندو راجہ کی طرف سے حکمران تھے اور اس شہر میں کئی مسلمان عالم اور اسلامی مدارس موجود تھے۔ منگلور میں مسلمانوں کی آبادی چار ہزار کے قریب تھی۔ کالی کٹ کا راجہ ہندو تھا، لیکن سوداگروں اور تاجروں کا سردار مسلمان تھا اور بحری تجارت میں انھیں بڑا دخل حاصل تھا۔

مالابار میں آج کل مسلمان کل آبادی کا تیس فی صدی ہیں۔ ۱۹۲۱ء کی مردم شماری میں ان کی تعداد گیارہ لاکھ تھی اور مورخین کا قیاس ہے کہ اگر سولھویں صدی میں پرتگیز اسلام کی پُرامن اشاعت کو تلوار کے زور سے نہ روکتے تو اس علاقے کے سب باشندے مسلمان ہو جاتے۔

تحفۃ المجاہدین جس کا سطور بالا میں کئی دفعہ ذکر آیا ہے ایک نہایت دلچسپ کتاب ہے۔ اسے ایک غیرت مند عالم شیخ زین الدینؒ نے اس زمانے (وسطِ عہدِ اکبری) میں تصنیف کیا جب پرتگیز مالابار کے مسلمانوں پر طرح طرح کے مظالم توڑ رہے تھے۔ یہ کتاب بیجاپور کے بادشاہ سلطان علی عادل شاہ اوّل کے نام معنون تھی اور اس کی تصنیف کا مقصد مسلمان حکمرانوں اور روسا کو مالابار کے مسلمانوں کی مدد پر آمادہ کرنا تھا۔ پہلے تین ابواب میں جہاد کے احکام، مالابار میں اشاعتِ اسلام کا ذکر اور یہاں کی ہندو اقوام کی عادات و مراسم کا بیان ہے۔ چوتھے باب میں پرتگیزوں کے مظالم کا تفصیل تذکرہ ہے۔

marfat.com

"محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

تحفۃ المجاہدین کی تصنیف سے شیخ زین الدین کا جو وقتی مقصد تھا وہ تو پورا نہ ہو سکا لیکن اس میں اشاعتِ اسلام کے متعلق جو تفصیلات درج ہیں، وہ بہت کارآمد ہیں اور ان سے اس اثر و اقتدار کا پتا چلتا ہے جو مسلمانوں نے مالابار میں بغیر کسی تیغ و تفنگ کے حاصل کر لیا تھا۔

تحفۃ المجاہدین کے فاضل مصنف شیخ زین الدین معبری کا مزار کالی کٹ کے جنوب میں ایک قصبہ پونانی (فنان) میں ہے، جو اب موپلا مسلمانوں کا علمی اور مذہبی مرکز ہے۔ یہاں نویں صدی ہجری کے اخیر میں سادات مشائخ کا ایک خاندان کوچین سے آ کر آباد ہوا، جس کے معزز افراد کو پونانی کے مخدوم یا ملیباری زبان میں "مخدوم جارا تنگل" کہتے ہیں۔ ان کو مسلمانانِ مالابار اپنا روحانی پیشوا مانتے ہیں۔ اس خاندان کے ایک بزرگ شیخ زین الدین ابو یحییٰ (۸۷۳ - ۹۲۸ھ) نے پونانی میں ایک جامع مسجد تعمیر کرائی اور اس کے پاس خانقاہ اور مدرسہ بنوایا۔ یہ مدرسہ مالابار کا مشہور مدرسہ ہے اور یہاں مالابار اور کرناٹک سے ہی نہیں بلکہ جزائر مشرقی سے بھی طلبا تحصیلِ علم کے لیے آیا کرتے تھے۔ اور شیخ ابن حجرؒ جیسے بزرگوں نے یہاں درس دیا ہے۔

شیخ زین الدین ابو یحییٰ علومِ ظاہری اور باطنی میں کامل تھے۔ انھوں نے چشتیہ اور قادریہ سلسلوں میں بیعت کر رکھی تھی اور تصوف۔ فقہ۔ مسائل وعظ و تذکیر میں کئی کتابیں ان کے قلم سے نکلیں، جن میں سے بعض گذشتہ صدی میں مصر میں طبع ہوئی ہیں۔ وہ شاعر بھی تھے۔ ان کی ایک منظوم تصنیف ہدایۃ الازکیا ہے، جس کی گزشتہ صدی میں دو شرحیں، ایک مکہ معظمہ میں اور دوسری جاوا میں تصنیف ہوئی ہیں۔ ان کے زمانے میں فتنہ پرتگیزی نمودار ہو چکا تھا اور انھوں نے اپنی ایک نظم "تحریص اہلِ ایمان علیٰ جہاد عبدۃ الصلبان" میں پرتگیزوں کے خلاف مسلمانوں کو جہاد کی ترغیب و تحریص دلائی تھی۔

تحفۃ المجاہدین کے مصنف شیخ زین الدین ابو یحییٰ کے پوتے اور ان کے ہمنام تھے۔ انھوں نے اس کتاب کے علاوہ چار کتابیں یادگار چھوڑی ہیں۔ ارشاد العباد

marfat.com

"محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

پند و موعظ کا مجموعہ ہے۔ ایک رسالے میں احادیث کے مطابق ان کوائف کا تذکرہ ہے جو موت کے بعد انسان پر گزرتے ہیں۔ قرۃ العین فی مہمات الدین میں فقہ شافعی کے مسائل ہیں۔ فتح المعین میں خود مصنف نے قرۃ العین کی شرح لکھی ہے۔ یہ سب کتابیں مصر میں کئی بار چھپی ہیں اور فتح المعین پر کئی علما نے مبسوط حواشی لکھے ہیں، جو جاوا سماٹرا میں مروج و متداول ہیں[1]۔

معبر ایک اور ساحلی خطہ جہاں عرب تاجروں نے پاؤں جمائے مشرقی ساحل پر راس کماری کے شمال مشرق کی طرف کارومنڈل کا علاقہ ہے جسے عرب معبر کہتے تھے۔ اس علاقے میں عربوں کی قدیم آبادیاں ہیں۔ سب سے اہم اور پرانی بستی مٹنے ولی صوبہ مدراس کا شہر کیالاپٹم ہے۔ جہاں چھان بین کرتے وقت ایک انگریز افسر کو کئی اسلامی سکے اکثر ہجری سے لے کر پانسو سال بعد تک کے ملے تھے۔ جو لوگ یہاں آباد ہیں، ان کا بیان ہے کہ ان کے آبا و اجداد حجاج بن یوسف کے ظلم و ستم سے ڈر کر ہندوستان آئے تھے، لیکن غالباً یہ روایت مہاجرین کے سب سے قدیم قافلے کی نسبت صحیح ہے اور بعد میں ان کے بھائی بند دوسرے اسباب کی بنا پر بھی یہاں آئے ہوں گے۔ انھیں عام طور پر لبی یا لبے کہا جاتا ہے۔

کیالاپٹم کی آبادی گزیٹیر کی رپورٹ کے مطابق تیرہ ہزار کے قریب ہے اور اس میں مسلمانوں کی اکثریت ہے۔ مشہور ہے کہ پانڈیا خاندان کے راجاؤں نے نووارد عربوں کو چار میل لمبا اور ڈیڑھ میل چوڑا علاقہ دیا اور یہاں انھوں نے اپنی بستیاں آباد کیں۔ انھوں نے مقامی عورتوں سے شادیاں کیں اور آہستہ آہستہ اس علاقے میں

---

[1] یہ تمام حالات حکیم سید شمس اللہ قادری کی ایک تحریر سے ماخوذ ہیں۔ کاش یونانی کے علما خود اپنے بزرگوں کے حالات لکھیں تاکہ خاص و عام کو معلوم ہو کہ اس مقدس سرزمین نے کیسے کیسے گوہر نایاب پیدا کیے ہیں، جن کی چمک دمک نے نہ صرف مالابار بلکہ جزائر شرقی یعنی جاوا اور ملایا کی تاریکیاں روشن کیں۔

marfat.com

"محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

کافی اثر حاصل کرلیا۔ سرکاری گزیٹیر میں کیالا پٹم کے مسلمانوں کی نسبت لکھا ہے:
"ان کی رسوم اور بسا اوقات ان کے لباس اور شکل وشباہت' بالخصوص ان کی طویل نورانی ڈاڑھیوں اور نکیلے ناک نقشے سے خیال ہوتا ہے کہ گویا یہ لوگ ابھی عرب کی سرزمین سے آئے ہیں۔ ان میں سے کئی لوگوں کا دعویٰ ہے کہ وہ عربی لکھ اور بول سکتے ہیں۔ عربی رسم الخط سے تو اکثر واقف ہیں۔" یہ لوگ تامل بھی عربی حروف میں لکھتے ہیں اور مقامی مسلمانوں اور ان کی ہندوانہ رسموں کو نفرت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔

مسلمان ضلع ٹنے ولی کی کل آبادی کا چھ فی صدی ہیں اور تین تحصیلوں میں دس فی صدی ہیں۔ اس علاقے میں ہندوؤں اور مسلمانوں کے تعلقات خوشگوار ہیں۔ پوٹن پودار (Pottanpudar) کی مسجد کی نسبت کہا جاتا ہے کہ وہاں ہندو زائرین کی تعداد مسلمانوں سے زیادہ ہے۔ (گزیٹیر) کئی مزارات کا ہندو احترام کرتے ہیں۔ اور کئی مسجدوں کے تبرکات ہندو بڑے شوق سے لیتے ہیں۔

سرکاری گزیٹیر میں یہاں کے عرب مسلمانوں کی نسبت لکھا ہے: "رسول اکرمؐ کی ایک حدیث کے بموجب' جس میں انھوں نے اس استفسار کے جواب میں کہ دنیاوی فلاح کس طرح حاصل ہو سکتی ہے' تجارت کی تلقین کی تھی۔ بیشتر مسلمان تجارت پیشہ ہیں۔ اس ضلع میں مبادلہ کی سب سے بڑی منڈی پتائی (Pettai) ان کے ہاتھ میں ہے۔ یہاں بہتوں نے ہزاروں روپے کمائے ہیں .... بہت سے لوگ لنکا اور ملایا وغیرہ کے ساتھ تجارت کر کے امیر ہو گئے ہیں .... کئی لوگ لنکا' برما' ملایا اور دوسرے علاقوں میں جاتے ہیں۔ اور جب کافی دولت جمع کر لیتے ہیں تو واپس آجاتے ہیں ..... تجارت کے بعد یہاں کے مسلمانوں کا دوسرا اہم پیشہ بافندگی ہے"۔

سلطان جلال الدین خلجی کے زمانے میں معبر پانڈیا راجاؤں کے تابع تھا۔ لیکن عربوں کا یہاں بہت اثر ہو گیا تھا اور راجا کا وزیر اور مشیر ملک تقی الدین بن عبدالرحمٰن ایک مسلمان تھا۔ بحری تجارت بھی زیادہ تر مسلمانوں کے ہاتھ میں تھی۔ کچھ عرصہ بعد علاء الدین خلجی کے زمانے میں ملک کافور نے یہ علاقہ فتح کر کے راجا کو حکومت دہلی کا

marfat.com

"محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

باجگزار بنایا۔ لیکن جب دکن میں بدامنی شروع ہوئی تو محمد بن تغلق نے یہاں سید حسن کیتھلی کو مقرر کیا جس نے خود مختاری کا اعلان کر کے معبر میں آزاد اسلامی حکومت قائم کی۔ موجودہ اضلاع مدورا۔ ترچناپلی۔ جنوبی ارکاٹ اور ٹنے ولی کے بعض حصے اس ریاست میں شامل تھے۔ یہ حکومت قریب قریب اڑتالیس سال قائم رہی۔ لیکن چونکہ اس زمانے میں وجے نگر کی مضبوط ہندو ریاست دکن میں قائم ہو چکی تھی اور معبر کے دہلی سے تعلقات منقطع ہو گئے تھے۔ اس لیے معبر کی حکومت دیرپا ثابت نہ ہوئی اور وجے نگر کے راجاؤں نے پہلے معبر کا شمالی اور پھر جنوبی حصہ فتح کر لیا اور ۱۳۷۸ء میں معبر کی اسلامی حکومت کا خاتمہ ہوا۔

جب وجے نگر کے راجے معبر کے مسلمان بادشاہوں پر غالب آئے تو ہنود نے بڑی خوشیاں منائیں اور مندروں اور دھرم شالاؤں میں بڑے جوش و خروش سے فتح کے شادیانے بجائے گئے۔ اس واقعہ کی نسبت تاریخ فیروز شاہی (عفیف) میں لکھا ہے (ترجمہ)

ہمسایہ سردار باکن (بکارائے) نے معبر پر حملہ کیا۔ تمام معبر اس کے قبضے میں آگیا۔ مسلمان عورتوں کی عصمت دری کی گئی۔ مسلمانوں پر بے حد ظلم کیا گیا[1]۔

اس پر ایک ہندو مورخ لکھتا ہے:۔

ہندوؤں کے ظلم و ستم سے تنگ آکر بہت سے مسلمان دشوار گزار پہاڑیوں اور جنگلوں میں اپنے مذہب کو چھپا کر رہنے لگے[2]۔

اس کے بعد معبر کی تاریخ پر تاریکی کا پردہ چھایا ہوا ہے۔ عجب نہیں ہندوؤں اور مسلمانوں کے تعلقات خراب ہو جانے سے عربوں کو جو حصہ بحری تجارت میں حاصل تھا وہ بھی کم ہو گیا ہو۔

---

[1] تاریخ فیروز شاہی ص ۲۶۳ کی عبارت قدرے مختلف ہے۔

[2] منقولہ در تاریخ جنوبی ہند مولفہ محمود میسوری ص ۳۴۷

marfat.com

"محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

شرق الہند میں اشاعتِ اسلام

اسی زمانے میں اسلام نے جاوا سماٹرا اور ملایا میں فروغ حاصل کیا۔ ہالینڈ کے مستشرقین کا خیال ہے کہ ان ممالک میں عربوں نے نہیں بلکہ ان مسلمانوں نے جو شاید عرب نسل سے تھے، لیکن ہندوستان میں بس چکے تھے، اشاعتِ اسلام کی۔ عجب نہیں کہ جب وجے نگر نے معبر کی اسلامی حکومت کا خاتمہ کیا اور مسلمانوں پر ظلم و ستم کا آغاز کیا تو بعض مسلمان ترکِ سکونت کر کے جزائر شرق الہند میں جا بسے ہوں اور وہاں اسلام کی ترقی اور رونق کا باعث بن گئے ہوں۔

ملایا، جاوا اور دوسرے علاقوں میں جو شواہد ملتے ہیں، ان سے گجرات، ملابار اور معبر ہی نہیں بلکہ بنگالہ کے ان علاقوں سے تعلقات پر روشنی پڑتی ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ جنوبی ایشیا کے تمام ساحلی علاقے کشتیوں اور بادبانی جہازوں کی آمد و رفت سے منسلک تھے۔ جن کے کشتی بان ہی نہیں بلکہ تجارت پیشہ مسافر بھی مسلمان تھے۔ اس کی وجہ سے نہ صرف ان علاقوں میں تجارتی بلکہ ثقافتی اور دینی تعلقات قائم ہوئے اور جزائر شرق الہند میں اسلام کی اشاعت کا سامان ہُوا۔

غالباً گجرات، مالابار اور معبر کی طرح چٹاگانگ کے پاس (موجودہ مشرقی پاکستان میں) مسلمانوں کی بستیاں تھیں۔ چٹاگانگ کے گرد و نواح اور قریبی جزائر (مثلاً سندیپ) میں بنگالی کی جو صورت رائج ہے، اس میں عربی اثرات خاص طور پر نمایاں ہیں۔ اس علاقے میں عربی رسم الخط کو بنگال کے باقی حصوں سے زیادہ اہمیت رہی ہے۔ یہاں قدیم بنگالی کتابوں (مثلاً علاول کی تصانیف) کے جو مخطوطے دستیاب ہوئے ہیں، ان میں کئی عربی رسم الخط میں ہیں۔ (یہ محض اتفاق نہ تھا کہ بنگالی کو حروفِ قرآن میں لکھنے کی جو تحریک ایک زمانے میں شروع ہوئی تھی، اس کا مرکز چٹاگانگ تھا)۔ یہ عربی اثرات یقیناً عرب تاجروں اور ملاحوں کی آمد و رفت کا نتیجہ تھے اور اس ساحل پر عربوں کی مقامی نوآبادیاں قرینِ قیاس معلوم ہوتی ہیں، لیکن افسوس کہ تاریخ ان کے متعلق خاموش ہے۔ اس علاقے میں

marfat.com

"محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

عربوں کی آمد کا سب سے پہلا سراغ برما کے علاقے اراکان کی مقامی تواریخ میں ملتا ہے۔ جن سے پتا چلتا ہے کہ وہاں کے ایک راجا کے عہدِ حکومت میں (جو ۷۸۸ء میں تخت نشین ہُوا) عربوں کے کئی جہاز سمندر میں طغیانی کی وجہ سے رمری کے قریب (جو چٹاگانگ سے چودہ میل جنوب میں ہے) ٹوٹ پھُوٹ گئے اور مسافروں کو اراکان کے اندرُونی علاقے میں بسایا گیا۔ بعد میں اراکان کے ساحل پر اسلامی اثرات بہت بڑھ گئے۔ چنانچہ کیمبرج ہسٹری میں لکھا ہے کہ تیرھویں صدی میں آسام سے ملایا تک کے ساحل پر جابجا مسجد نما عمارتیں تھیں، جنھیں بدر مکان (یا بدر مقام) کہا جاتا تھا۔ ہاروے نے وضاحت کی ہے کہ ان عمارتوں کو نہ صرف مسلمان بلکہ چینی اور بُدھ مت کے پیرو بھی احترام سے دیکھتے۔ ان کا انتساب بدر اولیا یا بدرالدین اولیا سے تھا، جن کا چٹاگانگ میں چلہ خانہ بتایا جاتا ہے۔ لیکن جو بہار میں دفن ہیں اور جن کے ملاح اور کشتی بان خاص طور پر معتقد تھے۔[1]

---

[1] اس موضوع پر ایشیاٹک سوسائٹی آف پاکستان کے جرنل (جلد ہفتم شمارہ ایک) میں ایک تفصیلی مضمون چھپا ہے

marfat.com

"محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

غزنی و لاہور

امیر ناصر الدین سبکتگین
وفات ۹۹۷ء

محمد بن قاسم نے دو سال کی مدت میں سندھ اور ملتان کا علاقہ فتح کر لیا اور عجب نہ تھا کہ اگر اُسے مہلت ملتی تو یہ قسمت سے محروم ابن قاسم سندوستان کے دُور دراز حصّوں میں فتح کے پھریرے لہراتا، لیکن عربوں کی قبائلی اور نسلی نزاعیں سدِ راہ ہوئیں اور چار سال کے اندر یہ جوان سال سپہ سالار واپس بُلا لیا گیا۔

محمد بن قاسم نے صحرائے سندھ میں جو سرچشمۂ فیض بہایا تھا وہ تو خشک ہُوا۔ لیکن اس کے عرب جانشین اسے وسعت اور گہرائی نہ دے سکے۔ اور جو نہریں اُس چشمۂ فیض سے نکلی تھیں، وہ ملتان تک آتے آتے خشک ہو گئیں۔ پنجاب اور شمالی ہند کے باقی علاقوں میں آبیاری ان لوگوں نے کی جو عرب سے نہیں بلکہ افغانستان سے آئے تھے اور انھیں بھی یہاں پہنچتے ایک زمانہ لگا۔

سندھ اور ملتان ۷۱۳ء میں فتح ہوئے تھے۔ اس کے بعد کوئی ڈھائی تین سو سال تک راجپوت شمالی ہندوستان میں بے کھٹکے حکومت کرتے رہے اور باہر سے کوئی مسلمان تلوار کا دھنی ہندوستان میں نہیں آیا۔ ۹۸۰ء کے قریب امیر سبکتگین نے ہندوستان کی شمال مغربی سرحد کی طرف نظر کی اور بعض اہم فوجی مقامات فتح کر کے آنے والوں کا راستہ صاف کیا۔ لیکن یہ عجیب اتفاق ہے کہ محمد بن قاسم کی مہم کی طرح اس نے بھی کسی سوچی ہوئی سکیم کے مطابق نہیں بلکہ واقعات سے مجبور ہو کر یہ قدم اُٹھایا۔

جب امیر سبکتگین ۹۷۶ء میں غزنی میں تخت نشین ہُوا، اُس وقت کابل اور پشاور کا علاقہ پنجاب کے راجا جے پال کے زیرِ نگین تھا۔ افغانستان میں

marfat.com

"محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

دونوں کی سرحدیں ملتی تھیں۔ جے پال کو سبکتگین کی کشور کشائی ناگوار ہوئی تو وہ ایک لشکر لے کر غزنی کی طرف بڑھا۔ لمغان اور غزنی کے درمیان ۹۷۹ء میں جنگ ہوئی۔ جس میں جے پال نے شکست کھائی اور اسے صلح کے لیے ملتجی ہونا پڑا۔ سبکتگین کا بیٹا محمود جو اپنے باپ کے ہمرکاب تھا، صلح کے خلاف تھا لیکن جب جے پال نے یہ پیغام بھیجا کہ ہم شکست کی صورت میں اپنے مال و دولت، نقد و جنس کو جلا کر خاک کر دیتے ہیں اور اپنے بال بچوں کو اپنے ہاتھ سے فنا کر کے بے جگری سے لڑتے ہیں تو محمود بھی خاموش ہو گیا۔ صلح ان شرائط پر ہوئی کہ جے پال اپنے ملک میں واپس جا کر گھوڑے، ہاتھی، مال و جواہر جن کی تعداد عہد نامہ میں معین ہوئی تھی۔ امیر سبکتگین کے کارندوں کے ہاتھ غزنی بھیجے گا۔

لاہور پہنچ کر جے پال اپنا وعدہ بھول گیا بلکہ امیر کے آدمیوں کو قید کر لیا۔ سبکتگین کو یہ پتا چلا تو اُسے بڑا طیش آیا۔ اُس نے جگہ جگہ سے فوجیں جمع کیں اور جے پال کے علاقے پر ہلہ بول دیا۔ امیر کو بہت سا مال و اسباب اور بے شمار لونڈی غلام ہاتھ آئے۔ لیکن جے پال بھی غافل نہ بیٹھا تھا۔ اس نے چٹھیاں بھیج کر ہندوستان کے تمام راجوں مہاراجوں سے مدد مانگی۔ اور جب پشاور کے مقام پر دونوں فوجیں آمنے سامنے ہوئیں تو دہلی، اجمیر، کالنجر اور قنوج کی منتخب فوجیں راجا جے پال کے ہمرکاب تھیں۔

یہ پہلا موقعہ تھا جب شمالی ہندوستان کے تمام حکمرانوں نے متحد ہو کر مسلمان حملہ آوروں کو روکنا چاہا اور ہندوستانی فوج کی اس قدر کثرت تھی کہ سبکتگین کے سردار بھی گھبرا گئے۔ ایک مورخ لکھتا ہے کہ جب مخالف فوج کا اندازہ لگانے کے لیے سبکتگین ایک پہاڑی پر چڑھا تو اُس نے دیکھا کہ مقابل میں ایک دریا ہے بے پایاں۔ اور ایک لشکر ہے، مثل مور و ملخ کے فراواں۔ لیکن سبکتگین نے ہندوستانی فوجوں کے ہاتھ دیکھے ہوئے تھے۔ وہ ان کی کثرت سے مرعوب نہ ہوا اور اس نے اپنے تئیں مانند ایک قصاب کے سمجھا جو

marfat.com

"محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

گوسفندوں کی کثرت سے نہیں گھبراتا۔ اور مثل ایک شاہین کے تصور کیا جو کلنگوں کی صف سے ہراساں نہیں ہوتا[1]۔" لیکن اس کے باوجود وہ بھانپ گیا کہ خاص داؤ پیچ اور نئے طریقے سے لشکر آرائی کی ضرورت ہے۔ چنانچہ ایک تو اُس نے اپنے سرداروں کو بُلا کر جہاد و غزا کی ترغیب دی اور بہادروں کے کارنامے سُنا کر ان کے دل بڑھائے اور دوسرے اپنے لشکر کو پانچ پانچ سو کے دستوں میں تقسیم کیا تاکہ جب ایک دستہ دشمن سے لڑتا لڑتا تھک جائے تو پانسو تازہ دم سپاہیوں کا دُوسرا دستہ مُقابلے میں ڈٹ جائے اور دشمن پر اپنی کمزوری عیاں نہ ہو۔ جب کچھ دیر اس طرح لڑائی جاری رہی اور دشمن کی صفیں ڈھیلی پڑ گئیں تو تمام دستوں نے یکبارگی پورے زور کا حملہ کیا اور اس انبوہِ عظیم کو راہِ فرار اختیار کرنی پڑی۔

جے پال نے غزنی پر حملہ کر کے بھڑوں کے چھتّا میں ہاتھ ڈالا تھا۔ اب یہ حالت ہوگئی کہ "مَیں تو کمبل کو چھوڑتا ہوں لیکن کمبل ہی مجھے نہیں چھوڑتا" سبکتگین پر ہند و راجاؤں کی کمزوری پوری طرح ظاہر ہوگئی تھی۔ اُس نے جے پال کو دو ایک اَور شکستیں دے کر کابل اور پشاور کا سارا علاقہ اس سے چھین لیا۔ اور پشاور میں اپنا ایک نائب معیّن کر کے اسے مقبوضاتِ غزنی میں داخل کر لیا۔

سبکتگین نے جے پال کے خلاف جو اقدامات کیے، ان کا عملی سبب جےپال کی اپنی ناعاقبت اندیشانہ پالیسی تھی۔ لیکن اس زمانے میں غزنی اور اس کے گردونواح میں ایک مذہبی اور احیائی تحریک زوروں پر تھی۔ اس کا اثر بھی سبکتگین اور اس کے جانشین محمود غزنوی پر ہوا ہوگا۔ یہ تحریک کرامیہ فرقے کی تحریک تھی، جس کے معاصرانہ راہنما ابوبکر اسحاق کا سبکتگین بڑا مداح تھا بلکہ ایک بیان کے مطابق پیرو تھا۔ ابوبکر اسماعیلی فرقے کا بڑا سخت مخالف تھا اور غیر مسلموں میں بھی اس کی تبلیغی کوششیں زوروں پر تھیں۔ چنانچہ بیان کیا جاتا ہے" کہ اس نے پانچ ہزار یہودیوں، آتش پرستوں وغیرہ کو مسلمان کیا۔ اس کی وفات ۹۹۳ء میں ہوئی۔

---

[1] تاریخ فرشتہ جلد اول ص ۲۰

marfat.com

"محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

اس کے بعد اس کا بیٹا سلطان محمود غزنوی کو اسماعیلیوں کے خلاف مصروفِ کار رہنے کی تلقین کیا کرتا تھا۔ بعد میں اس فرقہ کی انتہا پسندی کی وجہ سے سلطان محمود نے اس کی سرپرستی ترک کر دی۔ لیکن ایک زمانے میں وہ بھی اس کے راہنماؤں سے متاثر رہا تھا۔ عجب نہیں کہ سلطان محمود غزنوی نے ملتان اور منصورہ کے اسماعیلیوں کے خلاف جو قدم اٹھایا یا اس نے اور اس کے والد سبکتگین نے دے ہند کے غیر مسلم راجاؤں کے متعلق اپنے پیروؤں سے زیادہ سرگرمی دکھائی۔ اس میں اس فضا کو بھی دخل ہو، جو کرامیہ فرقے کے راہنماؤں نے غزنی میں پیدا کر رکھی تھی۔ بعد میں سلطان محمد غوری اور اس کا بھائی بھی (غور کے عام باشندوں کی طرح) ایک زمانے تک اس فرقے سے متعلق رہے لیکن بالآخر اس فرقے کو زوال آیا اور منگولوں کے حملے کے بعد اس کا نام سننے میں نہیں آتا۔

عام طور پر اوراقِ تاریخ میں سبکتگین کا نام اس جلی قلم سے نہیں لکھا جاتا جس سے اس کے فاتح اور بلند اقبال بیٹے سلطان محمود غزنوی کا نام روشن ہوتا ہے۔ لیکن اہلِ نظر جانتے ہیں کہ باپ کا مرتبہ بیٹے سے بہت کم نہیں اور مخصوص نتائج میں تو شاید سبکتگین کو محمود پر فوقیت حاصل ہے۔ امیر سبکتگین کا سب سے بڑا کام تو یہ تھا کہ اس نے ہندوستان کی سرحد پر غزنی میں ایک ایسا اہم عسکری اور حکومتی مرکز قائم کیا جس نے برِ صغیر کی فتح کے لیے ایک Base (فوجی صدر کیمپ) کا کام دیا۔ اس کے علاوہ اس نے کابل سے لے کر پشاور تک کا علاقہ فتح کیا اور اپنے تدبر اور حُسنِ انتظام سے وہاں کامیاب حکومت قائم کر کے اور راستوں اور قلعوں کی درستی سے آئندہ فتوحات کی بنیاد ڈالی۔ اس کے علاوہ شمالی ہندوستان کے تمام راجاؤں کو شکست دے کر اس نے اس عسکری نظام پر کاری ضرب لگائی جو شمالی حملہ آوروں کو روک سکتا ہے ؎

خارہا از اثرِ گرمیٔ رفتارم سوخت
منتے بر قدمِ راہروان است مرا

marfat.com

"محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

سبکتگین کی فتوحات میں وہ ڈرامائی عنصر نہیں جو سلطان محمود غزنوی کے حملۂ سومنات یا اس طرح کے دوسرے کارناموں میں نظر کو خیرہ کرتا ہے۔ لیکن نتائج کے لحاظ سے وہ بھی کم وقعت نہیں۔

سلطان محمود غزنوی
وفات ۱۰۳۰ء

سبکتگین نے ۹۹۷ء میں وفات پائی اور اس کی جگہ محمود تخت نشین ہوا، جس کی فتوحات کا سلسلہ سکندر اعظم کی یاد دلاتا ہے۔ اس نے جے پال کے خلاف لڑائی جاری رکھی اور ۱۰۰۱ء میں اٹک کے قریب اسے شکست دی۔ جے پال کے بعد اس کا بیٹا انند پال تخت نشین ہوا۔ اُس نے بے سمجھی سے ۱۰۰۵ء میں جب محمود ملتان کے اسمٰعیلی حاکم ابوالفتح داؤد کے خلاف انتقامی کارروائی کر رہا تھا، محمود پر حملہ کر دیا۔ لیکن شکست کھائی اور کشمیر بھاگ گیا۔ اگلے سال محمود نے انند پال کو "مخالفت کی مزید سزا" دینے کا ارادہ کیا اور پشاور کے قریب اس کے عظیم[1] لشکر کو شکست دے کر ہندوستان میں داخل ہوا اور کانگڑہ[2] تک چڑھ آیا۔

---

[1] غزنویوں اور ہندوستانی راجاؤں کے درمیان یہ دوسرا بڑا معرکہ تھا اور انند پال کے لشکر کے ساتھ نہ صرف اجمیر، قنوج اور کالنجر بلکہ اجین اور گوالیار کی فوجیں تھیں۔ اور افغان حملہ آوروں کے خلاف نہ صرف راجاؤں میں بلکہ عوام میں بھی بڑا جذبۂ مخالفت تھا۔ بالخصوص کھوکھروں میں جن کی عورتوں نے زیور بیچ بیچ کر لشکریوں کی مدد کی اور جو غریب تھیں انھوں نے چرخہ کات کر اور مزدوری کر کے پیسے بچائے اور ان سے چیزیں خرید کر لشکریوں کو بھیجیں۔ (فرشتہ جلد اول ص ۳۶)

[2] نگرکوٹ (کانگڑہ) اس زمانے کا اہم تیرتھ تھا اور اسے ہندوستان میں وہی حیثیت حاصل تھی جو قدیم یونان میں ڈیلفی دارالاستخارہ (Delphic oracle) کی تھی۔ فرشتہ لکھتا ہے کہ ہندو بڑے اور کٹھن کام شروع کرنے سے پہلے نگرکوٹ کے بت سے مشورہ لیتے تھے اور اگر اجازت ملتی تو اس کام کو شروع کرتے ورنہ اس سے دست کش ہو جاتے۔ اس کا تو کہنا ہے کہ اس کے زمانے میں (یعنی سترھویں صدی عیسوی تک!) بعض لوگ جو مسلمان ہونے کا دعویٰ کرتے تھے وہ بھی اس بت سے مشورہ کرتے اور اس بت خانے میں بقصد ثواب بڑے چڑھاوے بھیجتے۔ تزک جہانگیری سے بھی اس بیان کی تصدیق ہوتی ہے۔

marfat.com

"محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

اس کے بعد اس نے ہندوستان پر کئی حملے کیے اور متھرا، قنوج اور سومنات وغیرہ سے بہت سا مالِ غنیمت لے کر واپس ہوا۔ محمود نے ان مقامات پر کوئی حکومت قائم نہ کی لیکن اخیر میں لاہور کی حکومت اپنے غلام ایاز کو دے گیا۔ محمود نے ۱۰۳۰ء میں وفات پائی۔

محمود کی نسبت ڈاکٹر تارا چند لکھتے ہیں:-

"محمود کی زندگی کی زبردست خواہش فتح اور حکومت کی توسیع تھی اور اسی میں اس نے ساری زندگی صرف کر دی۔ وہ اس میں بہت حد تک کامیاب رہا۔ اس نے وسطِ ایشیا اور فارس کا بہت سا علاقہ فتح کر لیا اور عباسی خلیفہ بغداد کا علاقہ فتح کرنے کا ارادہ کر رہا تھا کہ ۱۰۳۰ء میں مر گیا۔ اس نے سپاہیانہ کامیابی اور لوٹ مار کے لیے ہندوستان پر کئی حملے کیے۔ کئی مندروں کو لوٹا اور جلایا لیکن اس لیے کہ ان میں زر و مال جمع تھا۔ اس نے کسی کو اسلام قبول کرنے کے لیے مجبور نہیں کیا۔ صرف یہی نہیں بلکہ اس نے متعدد ہندو افسروں اور سپاہیوں کو اپنی فوج میں ملازم رکھا، جو اس کے لیے وسطِ ایشیا اور ایران میں لڑتے رہے[1]"

محمود کی فوج میں جن ہندو سپہ سالاروں نے عروج حاصل کیا، ان میں سوبندر رائے، تلک اور ناتھ خاص طور پر مشہور ہیں۔ سوبندر رائے پر حکومت کو اس قدر اعتماد تھا کہ جب محمود کی وفات کے فوراً بعد مغربی ولایت کے شہر بست میں بغاوت ہوئی تو محمود کے جانشین نے سوبندر رائے کو اس نازک موقع پر بغاوت فرو کرنے کے لیے بھیجا اور وہ بڑی بہادری سے لڑتا ہوا میدانِ جنگ میں کام آیا۔ ناتھ کی وفاشعاری بھی اسی قسم کی تھی۔ اسے مسعود نے نیالتگین کی سرکوبی کے لیے روانہ کیا اور جب وہ کئی فتوحات کے بعد لڑائی میں مارا گیا تو مسعود کو اتنا رنج ہوا کہ اس نے تین روز تک کھانا نہ کھایا اور

---

[1] مختصر تاریخ اہلِ ہند ص ۱۲۷

marfat.com

"محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

اس کی جگہ اس کا ہم مذہب (تلک) نامزد کیا۔

سُلطان محمُود نے نہ صرف فتح ممالک اور جمع اموال میں کمال حاصل کیا بلکہ علم و ادب کی بھی سرپرستی کی اور اپنے دربار میں زمانہ بھر کے منتخب شعرا اور علما و فضلا جمع کر دیے۔ واقعہ یہ ہے کہ برگزیدہ شعرا کا جو جمگھٹا محمُود کے دربار میں تھا، ایران و توران کے کسی دوسرے فرمانروا کو میسر نہیں ہُوا۔ ان شعرا کی بذلہ سنجیوں اور نکتہ آفرینیوں نے محمُود کی فتوحات کو چار چاند لگا دیے اور نہ صرف سیاسی تاریخ میں بلکہ فارسی ادب کے اوراق میں بھی محمود اور اس کے دربار کو بلند جگہ مل گئی۔ جن شعرا نے محمود کے دربار میں شہرت پائی۔ ان میں فردوسی، عنصری، عسجدی اور فرخی خاص طور پر مشہور ہیں۔ فردوسی کے سوا باقی تین شعرا نے ایسے اشعار لکھے ہیں، جن میں سلطان کی ہندوستانی فتوحات کی طرف اشارہ ہے۔ عسجدی شاید سُلطان کی مہم سومنات میں شریک بھی تھا اور اس نے اس کے متعلق ایک زبردست قصیدہ لکھا تھا جس کے چند شعر محفوظ ہیں۔ مطلع تھا ؎

تا شاہِ خسرواں سفرِ سومنات کرد
کردارِ خویش را علمِ معجزات کرد

اس سے بھی پُرزور قصیدہ فرخی کا ہے، جو اس نے فتح کی یادگار میں لکھا ؎

فسانہ گشت و کہن شُد حدیثِ اسکندر — سخن نو آر کہ نو را حلاوتیست دِگر

اور پھر آگے چل کر سفرِ سومنات اور فتح کی تمام تفصیلات نظم کی ہیں۔ فرخی نے محمود کی وفات پر جو مرثیہ لکھا، وہ بھی فارسی شاعری میں ایک خاص چیز ہے ؎

شہر غزنیں نہ ہمانست کہ من دیدم پار — چہ فتادست کہ امسال دِگرگوں شُد کار
کُوچہا بینم و سر تا سرِ کوئے بینم — ہمہ پرجوش و خروش و پُر خیل و سوار
مہتراں بینم، بر رُوئے زناں، ہمچُو زناں — چشمہا کردہ زخُوں نا بہ برنگِ گلنار
مُلکِ امسال مگر باز نیامد زغزا — دُشمنے رُوئے نہاداست دریں شہر و دیار
سیرمے خوردہ مگر دی و بخفتہ است امروز — دیر ترخاست مگر رنج رسیدش زخمار

marfat.com

"محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

خیز شاہا کہ رسولانِ شہاں آمدہ اند
ہدیہ ہا دارند آوردہ فراواں و نثار

سلطان محمود ایک عجیب دل گردے کا مالک اور ایک عظیم الشان قوتِ ارادی کا انسان تھا۔ ۱۰۲۵ء میں اسے بخار رہنے لگا، جس نے تپ دق کی صورت اختیار کر لی، لیکن اس کے باوجود اس نے اپنے معمولات میں فرق آنے نہ دیا۔ دربار اور باریابی کا سلسلہ اسی طرح برقرار رکھا۔ خراسان سے سلجوقوں کو نکالا۔ رے کی بغاوت کو فرو کیا۔ ۱۰۲۹ء کا موسمِ گرما خراسان میں اور اگلا موسم سرما بلخ میں گزارا، لیکن اب صحت نے بالکل جواب دے دیا اور ۲۲ اپریل ۱۰۳۰ء کو اسے غزنی واپس آنا پڑا۔ سات آٹھ روز بعد قضا کا پیغام آپہنچا۔

بسترِ مرگ پر بھی سلطان نے اسی بلند ہمتی اور قوتِ ارادی کا ثبوت دیا جس کا مظاہرہ ہندوستان کے معرکوں میں ہوتا تھا۔ اپنی طویل بیماری میں اُس نے بسترِ علالت پر دراز ہونا قبول نہ کیا۔ وہ دن اور رات تکیوں کا ٹیک لگا کر بیٹھا رہتا اور اسی حالت میں داعیٔ اجل کو لبیک کہا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

محمود کے جانشین

محمود کی وفات ۱۰۳۰ء میں ہوئی۔ اس کے بعد مسلمان شاہی خاندانوں کی قدیم روش کے مطابق بیٹوں میں جنگ ہوئی۔ بالآخر مسعود غالب آیا۔ اسے خوش قسمتی سے خواجہ احمد میمندی جیسا قابل وزیر ملا تھا، لیکن اسے بہت دن حکمرانی نصیب نہیں ہوئی۔ لاہور میں اس کا نائب نیالتگین تھا اور اس کی مدد کے لیے (غالباً شرعی امور کی نگرانی کے لیے) قاضی شیرازی مقرر تھے۔ ان دونوں کی بن نہ آئی۔ بالآخر قاضی شیرازی سے کہا گیا کہ وہ ملکی معاملات میں دخل نہ دیں، لیکن قاضی نے غزنی میں اپنے کارندے بھیج کر نائب کے خلاف شکایت کی کہ وہ اپنے تئیں سلطان محمود غزنوی کا بیٹا بتاتا ہے اور بغاوت کا ارادہ رکھتا ہے۔ اس سے متاثر ہو کر مسعود نے تلک کے زیرِ قیادت نیالتگین کے خلاف فوج بھیجی اور نیالتگین شکست کھا کر

marfat.com
"محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

مارا گیا۔ اس کے بعد مسعود نے خود ہندوستان آکر ہانسی کا قلعہ فتح کیا۔ لیکن اس کی عدم موجودگی میں سلجوقیوں نے غزنی کا علاقہ تباہ و برباد کر دیا اور اس کے ترکی ہندو غلاموں نے اس کے خلاف بغاوت کر کے اس کے بھائی محمدؒ کو تخت نشین کیا۔

اس کے بعد غزنی میں کئی کمزور اور بے اثر حکمران ہوئے، جن کے نام صفحاتِ تاریخ میں اس لیے آجاتے ہیں کہ سلطان محمود غزنوی کی طرح وہ بھی کسی مشہور شاعر کے مُربّی تھے۔ ان میں سے ایک بہرام شاہ تھا۔ اس کے عہدِ حکومت کی نسبت گزشتہ صدی کی ایک کتاب حدیقۃ الاولیا میں تحفۃ الواصلین کے حوالے سے ایک اندراج نقل ہُوا ہے جس میں ممکن ہے بعض جُزئیات غلط ہوں، لیکن جو ایک حقیقی واقعہ کا بیان معلوم ہوتا ہے۔ اس کتاب کا مؤلف مزار شہید گنج (واقعہ محلہ سادھواں لاہور) کا ذکر کرتا ہُوا لکھتا ہے :-

"شاہ بہرام کے وقت آپس میں سلاطین غزنویہ اور سلاطین غور کے فساد ہُوا تو پنجاب کی حکومت بہت ضعیف ہوگئی۔ اس وقت راجا انگ پال راجا جے پال کا بیٹا[1] راجگان ہند کا لشکر لے کر لاہور پر چڑھ آیا۔ چھ ماہ تک شہر والے لوگ لڑتے رہے۔ ہر چند غزنی سے مدد طلب کی۔ کوئی لشکر نہ آیا۔ آخر شہر فتح ہُوا۔ ہندوؤں نے موقع پاکر بہت سے مسلمان قتل کر ڈالے۔ اس محلے میں بھی قتلِ عام ہُوا۔ اور بقدر دو ہزار نعش کے مسلمان اس جگہ دفنائے گئے۔ اس وقت ہندوؤں نے دخل پاکر مسجدیں گرادیں اور بُت خانے دوبارہ قائم کر دیے۔ چندے عملداری ہندوؤں کی رہی۔ پھر جب غزنی سے لشکرِ قاہرہ لاہور آیا تو راجا انگ پال

---

[1] کیمبرج ہسٹری میں لکھا ہے (جلد سوم صفحہ ۳۳) کہ سلطان مودود غزنوی (متوفی ۱۰۴۹ء) کے زمانہ حکومت میں دہلی کے راجا مہی پال نے مسلمانوں سے ہانسی، تھانیسر اور کانگڑہ کے علاقے چھین لیے بلکہ لاہور پر چڑھائی کی اور شہر کا محاصرہ کر لیا، لیکن مسلمانوں نے جم کر مقابلہ کیا اور مہی پال کو ناکام واپس جانا پڑا۔ غالباً جو مسلمان اس محاصرے اور محاربے کے دوران میں شہید ہوئے، انھیں گنج شہیداں میں دفن کیا گیا ہوگا۔

marfat.com

"محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

مارے خوف کے بھاگ گیا۔

بہرام کا بیٹا خسرو شاہ علاءالدین غوری سے شکست کھا کر غزنی چھوڑ کر ہندوستان آگیا۔ اور جب اس کے بیٹے خسرو ملک کو سلطان محمد غوری نے ۱۱۸۶ء میں شکست دے کر لاہور پر قبضہ کر لیا تو غزنویوں کا سارا علاقہ غوریوں کے زیر نگیں آگیا اور غزنویہ خاندان کا خاتمہ ہوا۔

علم و ادب

غالباً غزنویہ دور کا سب سے زیادہ قابلِ تعظیم عالم البیرونی تھا جس کا ذکر ہم آگے چل کر کریں گے۔ اس نے کتاب الہند محمود کی وفات کے تھوڑا عرصہ بعد مرتب کی اور اپنی دوسری کتاب قانونِ مسعودی محمود کے جانشین مسعود کے نام معنون کی۔

محمود کی طرح مسعود بھی اہلِ علم کا قدردان تھا۔ اور اس کے دربار سے کئی اہلِ کمال وابستہ تھے۔ لیکن اس زمانے کی ایک قابلِ ذکر تبدیلی لاہور اور اہلِ لاہور کا علم و فن میں عروج تھا۔ سلطان محمود غزنوی کی مختلف فتوحات سے ایک فائدہ یہ ہوا کہ لاہور میں اسلامی حکومت قائم ہو گئی۔ اور چونکہ یہاں غزنی سے کئی اہلِ علم بسلسلہء ملازمت آکر آباد ہوئے، اس لیے ان کے فیض سے یہ شہر بھی اسلامی علوم اور مذہبِ اسلام کی اشاعت کا مرکز ہو گیا۔ شروع شروع میں تو یہاں اہلِ علم کا قحط تھا۔ چنانچہ جب داتا گنج بخشؒ یہاں تشریف لائے تو انھیں غزنی کی مسجدیں یاد آتی تھیں اور انھوں نے اپنی ایک کتاب میں شکایت کی ہے کہ میں یہاں آکر ناجنسوں میں گرفتار ہو گیا ہوں۔ لیکن ابراہیم غزنوی کے زمانہء حکومت (۱۰۵۹ء۔ ۱۰۹۸ء) میں لاہور علمی سرگرمیوں کا گہوارہ ہو گیا۔ اور بقول عوفی علم و فضل کا بڑا مرکز تھا۔ ابراہیم کا ایک وزیر ابونصر فارسی جو ادبی دلچسپیوں کی وجہ سے ادیب مشہور ہے، علم و فضل کا مربی تھا۔ اس نے لاہور میں ایک خانقاہ قائم کی جو اہلِ علم اور دوسرے بزرگوں کی جائے پناہ تھی۔ اور آہستہ آہستہ لاہور بلخ و بخارا اور دوسرے ممالک سے اہلِ علم کھچ کر آنے لگے تاریخِ سلاطینِ آلِ غزنی

marfat.com

"محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

کا مصنف لکھتا ہے :-

"و جمق جوق تشنگانِ علوم از سائر بلادِ ہند و ولایتہائے کاشغر و ماوراء النہر و عراق و بخارا و سمرقند و خراسان و غزنی و غیر ذالک ازاں خیرات میمنع منتفع مے شدند چنانکہ یک آبادانی نو در حدودِ لاہور پدید آمد۔"

ابراہیم غزنوی کے بعد اس کا بیٹا سلطان علاء الدین مسعود تخت نشین ہوا۔ اس کے دربار کی ایک قابلِ ذکر ہستی مسعود سعد سلمان ہے، جو پاکستان کا پہلا فارسی شاعر تھا۔ ایرانی تذکرہ نویسوں نے تو اسے ہمدانی اور جرجانی ثابت کرنے کی کوشش کی ہے، لیکن وہ خود اپنی جائے پیدائش لاہور بتاتا ہے اور وہاں سے دور ہونے پر افسوس کرتا ہے۔

مولدم لاہور و از لاہور دور
دیحک اے لاہور بے تو کے صبور

اس کے والد خواجہ سعد سلمان بعہد سلطان مسعود شہید بسلسلہ ملازمت لاہور آکر آباد ہوئے تھے۔ جب ۱۰۳۶ء میں سلطان مذکور نے شہزادہ مجدود کو والیٔ ہند مقرر کیا تو سعد سلمان کو شہزادے کا مستوفی نامزد کیا۔ والیٔ ہند کا دارالحکومت لاہور تھا اور یہیں مسعود سعد سلمان پیدا ہوا۔

مسعود نے اپنی زندگی میں بڑے نشیب و فراز دیکھے۔ اس نے پہلے سلطان ابراہیم اور پھر اس کے بیٹے مسعود کی تعریف میں قصیدے لکھے۔ ایک زمانے میں تو اسے بڑا فروغ ہوا، لیکن بالآخر بادشاہِ وقت نے اس کی وفاداری پر شبہ کر کے اسے قید کر دیا۔ مسعود سعد سلمان نے اس قید کے دوران میں جو حبسیہ قصائد لکھے ہیں وہ اپنے طرز میں بالکل نئے ہیں اور درد و اثر سے بھرے ہوئے ہیں۔ مشہور شاعر سنائی جس کی مثنوی حدیقۃ الحقیقت یا حدیقہ اربابِ تصوف کی آنکھ کی عینک ہے۔ مسعود سعد سلمان کا بڑا مداح تھا اور اسی نے مسعود کا فارسی دیوان مرتب کیا۔ لیکن مسعود کے تین دیوان تھے۔ ایک عربی ایک

marfat.com

"محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

فارسی اور ایک ہندوستانی میں ۔ عوفی لکھتا ہے :۔

"وادراسہ دیوان است یکے بتازی ویکے بپارسی ویکے بہ ہندوی"۔

سلطان ابراہیم غزنوی کے دربار کا ایک اور شاعر ابوالفرج رونی تھا' جو بعض تذکرہ نویسوں کے بیان کے مطابق مضافات لاہور کا رہنے والا تھا ۔ وہ قصیدہ نویسی میں یکتائے زمانہ تھا ۔ انوری نے کئی اشعار میں اس کی اُستادی کا لوہا مانا ہے ؎

بادمعلومش کہ من بندہ بشعرِ بو الفرج
تابدیدستم ولوعے داشتم لبس تمام

اور عرفی نے تو ایک شعر میں انوری اور ابوالفرج کو قریب قریب ہم پایہ قرار دیا ہے ؎

انصاف بدہ بوالفرج و انوری امروز ‌ ‌ ‌ بہرِ چہ غنیمت نشمارند عدم را

سلطان مسعود ابنِ ابراہیم کے بعد اس کے بیٹے بہرام نے شعرا کی سرپرستی کی خسرو ملک جو غزنوی خاندان کا آخری حکمران تھا' بہرام کا پوتا تھا ۔

مشہور شعرا اور مورخین کے علاوہ غزنویہ دَور کی قابلِ ذکر ہستی داتا گنج بخش ہیں جن کا ذکر ہم آیندہ صفحات میں کریں گے ۔ اس زمانے کے فنِ تعمیر کے نمونے پاکستان میں کوئی نہیں اور غالباً اس کی وجہ یہ ہے کہ قطب الدین ایبک تخت نشینی سے پہلے ہندوستان میں بیشتر نائب السلطنت رہتے تھے ۔ اور حکومت کا دارالخلافہ غزنی تھا ۔

علامہ ابُوریحان البیرُونی

سلطان محمود غزنوی کے زمانے میں البیرونی خطۂ ہند و پاکستان میں آیا اور ہندوستانی علوم کا عمیق مطالعہ کرنے کے بعد اس علاقے اور ہندوؤں کے متعلق ایک نہایت اہم اور سیر حاصل کتاب لکھی ۔

البیرونی کے اپنے حالات پر اخفا کا پردہ چھایا ہُوا ہے ۔ فقط اس کی تصانیف میں کہیں کہیں اس کے قلم سے اپنی نسبت جو کوئی لفظ ٹپک پڑا ہے' اسے پھیلا کر اس کی داستانِ حیات ترتیب دینی پڑتی ہے ۔ وہ خوارزم (خیوا) کے قریب ایک

marfat.com

"محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

گاؤں بیرون میں ۹۷۳ء میں پیدا ہُوا۔ تئیس برس اپنے وطن میں گزارے۔ پھر کئی سال شمس المعالی والیٔ جرجان وطبرستان کے دربار سے وابستہ رہا اور یہیں ۱۰۰۰ء میں آثار الباقیہ لکھی۔ اس کے بعد وہ خوارزم چلا آیا اور جب سلطان محمود غزنوی نے خوارزم کی حکومت کا خاتمہ کر دیا تو دوسرے اعیان ومشاہیر کے ساتھ ۱۰۱۷ء میں غزنی گیا۔ محمود اس سے کسی بات پر ناراض رہا، لیکن اس کے بیٹے مسعود نے البیرونی کی سرپرستی کی۔ موخر الذکر کے نام اس نے قانون مسعودی معنون کی۔ اور بالآخر ۷۸ سال کی عمر میں ۱۱۴ سے زیادہ علمی کتابیں لکھنے کے بعد ۱۰۴۸ء میں وفات پائی۔ بیہقی کی تاریخ الحکما میں البیرونی کی نسبت لکھا ہے کہ اس نے چالیس سے زیادہ سال تحصیل علوم میں صرف کیے اور ایک اونٹ کے بوجھ سے زیادہ کتابیں لکھیں۔ اس کا بوعلی سینا سے اکثر مناظرہ ہوتا تھا۔ بیہقی نے البیرونی کا ایک قول نقل کیا ہے۔ "عاقل کسے تواند بود کہ بہ تدبیر امروز از تدبیر فردا مستغنی شود"۔

البیرونی نے علوم تاریخ۔ سنین۔ ریاضی۔ ہیئت۔ جغرافیہ۔ طبیعیات۔ کیمیا اور علم معدنیات میں کتابیں تصنیف کیں۔ وہ عربی۔ فارسی۔ ترکی۔ خوارزمی کے علاوہ عبرانی اور یونانی سے واقف تھا اور سنسکرت میں تو اس نے عربی سے کئی کتابیں ترجمہ کیں۔

البیرونی کی زندگی بیشتر خطۂ ہندو پاکستان سے باہر بسر ہوئی لیکن چونکہ اس کی مشہور ترین کتاب اسی سرزمین کے متعلق ہے، اس لیے یہاں کی علمی تاریخ میں اس کا ذکر آجانا ناگزیر ہے۔ علاوہ ازیں البیرونی کی تصانیف میں اُس بے تعصبی، انصاف پرستی، اخلاقی جرأت اور عالمانہ تبحر کی بہترین مثالیں ملتی ہیں، جسے مسلمان اہلِ تحقیق نے اپنے عہدِ عروج میں اپنا مطمحِ نظر بنایا۔ (اور جسے سطحی علمیت اور سستی قوم پروری کے موجودہ دور میں تو شاید ایک عیب سمجھا جاتا ہے) چنانچہ اُس زمانے کے مزاجِ علمی کا صحیح اندازہ لگانے کے لیے البیرونی کے طریقِ کار کا مطالعہ بے فائدہ نہ ہوگا۔

marfat.com

"محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

البیرونی کی کتاب الہند کو پہلے جرمن اور پھر انگریزی قالب میں ڈھال کر پروفیسر سخاو نے اسے مغربی دُنیا سے رُوشناس کرایا تھا۔ اور جلد ہی اہلِ نظر نے اس گوہرِ یکتا کی قدر و قیمت پہچان لی۔ اُردو میں مولوی سید حسن برنی نے چند مختصر اور تشنہ مضامین کا مجموعہ البیرونی کے نام سے مرتب کیا، لیکن حال ہی میں انجمن ترقی اُردو کے زیرِ اہتمام کتاب الہند کا ترجمہ دو جلدوں میں شائع ہُوا ہے۔

کتاب الہند میں ایک تمہید کے علاوہ، جس میں کتاب کی غرض و غایت اور وجہِ تصنیف بیان کی گئی ہے، اسّی باب ہیں اور ان میں ہندوستان کے مذہب، فلسفہ، ادب، جغرافیہ، ہیئت، جوتش، رسم و رواج اور قوانین کا بیان ہے۔ بالعموم کوشش کی گئی ہے کہ مختلف مضامین پر ہندوؤں کی اپنی مستند کتابوں سے اقتباس دے کر ان کا نقطۂ نظر واضح کیا جائے۔ کہیں کہیں جب اس نقطۂ نظر میں غرابت معلوم ہوتی ہے تو البیرونی نے یونانیوں یا یہودیوں کی مثالیں دے کر یہ غرابت رفع کرنے کی کوشش کی ہے۔

تمہید میں مصنف نے اپنے اُستاد ابو سہل عبدالمنعم ابن علی سے ایک گفتگو کا ذکر کیا ہے جس کے دوران میں البیرونی نے ہنود کے متعلق مسلمانوں کی مروجہ کتابوں کی خامیاں بتائی تھیں:-

"اُستادِ موصوف نے جب ان کتابوں کو دوبارہ پڑھا اور ان کی وہی حالت پائی جو بیان کی گئی تو ان کی یہ خواہش ہوئی کہ ہم کو جو ہندوؤں کے ذریعے معلوم ہُوا ہے وہ قلمبند کر دیا جائے تاکہ ان لوگوں کو جو ان سے بحث و مناظرہ کرنا چاہیں، اس سے مدد ملے۔ اور جو لوگ ان سے میل جول پیدا کرنا چاہیں، ان کے لیے بھی کارآمد ہو۔ اور اُنھوں نے (ہم پر) اس کی فرمائش کی۔

ہم نے اس کتاب کو اس طرح لکھ ڈالا کہ اس میں کسی فریق کی طرف کوئی ایسا قول منسوب نہیں کیا جو اس کا اپنا نہیں ہے اور نہ ان کا کلام نقل کرنے سے، اگر وہ حق کے مخالف اور اہلِ حق کو ان کا سُننا گراں ہو احتراز کیا ہے۔ وہ اس

marfat.com

"محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

فریق کا اعتقاد ہے اور وہ اپنے اعتقاد سے بخوبی واقف ہے۔

یہ کتاب بحث و مناظرہ کی کتاب نہیں ہے کہ ہم مخالف کی دلائل بیان کرکے جو ان میں سے حق کے خلاف ہیں' ان کی تردید کریں۔ یہ فقط نقل و حکایت (تاریخ) کی کتاب ہے۔"

البیرونی علم ہیئت و نجوم کا عالم تھا۔ اس لیے یہ کتاب ان علوم اور سنین کے متعلق اتنے طویل عالمانہ اقتباسات اور ہندی اور یونانی نظریوں کے ایسے لطیف موازنوں سے بھری ہوئی ہے کہ اس سے پوری طرح بہرہ ور ہونا انھی کا حصہ ہے جو ان علوم میں دسترس رکھتے ہیں۔ لیکن کتاب میں عام دلچسپی کی بھی کئی باتیں ہیں۔ مذہب کے متعلق البیرونی ہندو خواص اور ہندو عوام میں ایک بیّن فرق بیان کرتا ہے۔ اس نے پاتنجلی سے طویل اقتباسات دے کر بیان کیا ہے کہ خواص کے نزدیک خدا واحد ہے۔ ازلی ہے۔ جس کی نہ ابتدا ہے نہ انتہا۔ اپنے فعل میں مختار ہے۔ قادر ہے۔ حکیم ہے۔ زندہ ہے۔ زندہ کرنے والا ہے۔ لیکن عوام ہندو دیوتاؤں سے انسانی خواص منسوب کرنے میں حدِ اعتدال سے تجاوز کر گئے ہیں۔ ان سے جورو' بیٹا' بیٹی' حمل اور تمام حالات طبعی منسوب کرتے ہیں اور ان کے ذکر میں خلافِ عقل مبالغہ سے کام لیتے ہیں۔ عوام بُت پرستی کرتے ہیں' لیکن جو شخص نجات کی راہ کا طالب ہے یا جس نے مناظرہ و کلام کا مطالعہ کیا اور حقیقت کو جاننا چاہا ہے' جس کو یہ لوگ سار کہتے ہیں' وہ اللہ کے سوا ہر دوسری چیز کی عبادت سے پاک دامن ہے۔ بنائی ہوئی صورت کی کیا عبادت کرے گا۔"

ہندوؤں کے رسم و رواج کی نسبت البیرونی لکھتا ہے کہ شادیاں کم عمری میں ہوتی ہیں۔ مرد کو کثرتِ ازدواج کا اختیار ہے۔ طلاق کی اجازت نہیں۔ نکاحِ بیوگان بھی ممنوع ہے۔ "جب ایک عورت کا خاوند مر جائے تو یا تو اسے تمام عمر بیوہ رہنا پڑتا ہے یا زندہ جل جانا۔ بالعموم وہ زندہ جل جانے کو ترجیح دیتی ہے۔ کیونکہ بیوگی کی حالت میں اس سے تمام عمر بدسلوکی ہوتی ہے۔"

marfat.com

"محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

البیرونی بھاگوت گیتا اور اپنشدوں کے فلسفے کی تعریف کرتا ہے اور ہندوؤں کی نرم دلی کا عیسائیوں کی نرم دلی سے مقابلہ کرتا ہے۔ طریق عدل و انصاف کی جو تصویر اس نے کھینچی ہے' اس سے پتا چلتا ہے کہ یہ بلند پیمانے پر تھا۔ لیکن برہمنوں کو کھلم کھلا مراعات حاصل تھیں اور وہ ٹیکسوں اور سزائے موت سے بری تھے۔ ہندوؤں کے چار طبقوں کا ذکر کرتے ہوئے البیرونی لکھتا ہے: "ہم میں اور ہندوؤں میں بڑا اختلاف یہ ہے کہ ہم آپس میں سب کو برابر سمجھتے ہیں۔ اور ایک دوسرے پر فضیلت صرف تقوے کی بنا پر دیتے ہیں۔ یہ اختلاف ہندوؤں اور اسلام کے درمیان سب سے بڑی رکاوٹ ہے۔"

البیرونی نے ایک باب ہندوؤں کی عجیب رسوم و عادات کے متعلق لکھا ہے' جس میں ہندوؤں کی ان تمام باتوں کو جمع کیا ہے جو اس کی نظر میں مکروہ یا عجیب و غریب تھیں۔ چونکہ بطور ایک محقق اور عالم کے اس نے ہر ایک چیز کو دیانتداری اور ہمدردی سے سمجھنے کی کوشش کی ہے' اس لیے اس نے ان رسوم کی بھی تاویل کی ہے اور لکھا ہے کہ "کسی چیز کا عجیب و غریب ہونا اس وجہ سے ہے کہ وہ (ہم میں) کم پائی جاتی ہے۔ اور اس کو دیکھنا عادت کے خلاف ہے۔"

ان رسوم کی فہرست دے کر البیرونی لکھتا ہے:۔

"ہم نے کسی ہندو لڑکے کو جو اسلامی ملکوں میں نیا آیا ہو اور اس ملک والوں کے طریقے کا مشتاق نہ ہو' ایسا نہیں پایا۔ جو اپنے آقا کے سامنے ہمیشہ کھڑاؤں کو اس کی اصلی وضع کے خلاف یعنی دائیں پاؤں والی کو بائیں کے لیے نہ رکھتا ہو۔ کپڑا الٹا نہ تہ کرتا ہو۔ فرش الٹا نہ بچھاتا ہو اور اسی قسم کی بہتیری باتیں جس کا سبب یہی ہے کہ اس کی فطرت میں طبیعت کی مخالفت ہے۔

اس جاہلیت پر ہم تنہا ہندوؤں ہی کو ملامت نہیں کرتے۔ اہل عرب بھی زمانہ جاہلیت میں انھی کے مانند بڑی نامناسب اور

marfat.com

"محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

قابلِ شرم باتوں کے مرتکب ہوتے تھے۔ مثلاً حائضہ اور حاملہ عورتوں سے نکاح۔ ایک ہی طہر کے زمانے میں ایک عورت کے پاس چند مردوں کا جانا اور غیر کے لڑکوں اور مہمانوں کی اولاد کو اپنی طرف منسوب کر لینا۔ بیٹی کو زندہ دفن کرنا۔

علاوہ ان امور کے جو ان کی عبادت میں مثلاً تالی پیٹنا اور سیٹی بجانا اور کھانے میں مثلاً گندی چیزیں اور مُردار کھانا قابلِ اعتراض تھے۔ ان سب کو اسلام نے مٹایا۔ اور اسی طرح ہندوستان کے جس علاقے کے لوگ مسلمان ہو گئے، وہاں سے بھی اکثر برائیوں کو جو سرزمینِ ہند میں ہیں دفع کیا۔ والحمدللہ!"

marfat.com

"محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

عُلما و مشائخ

شیخ صفی الدین گازرونیؒ

وفات ۷۰۰ھ

عہدِ غزنویہ میں پاکستان کے جس شہر نے سب سے زیادہ فروغ حاصل کیا، لاہور تھا لیکن اس سرزمین میں اسلام کے قدیمی گہوارے سندھ اور مُلتان کے علاقے ہیں اور ان میں اب صرف عرب سے ہی نہیں، بلادِ عجم سے بھی علما و مشائخ آنے شروع ہو گئے تھے۔ اگر سندھ میں شیخ ابوتراب کے مزار کو، جو فی الواقع ایک مُلکی حاکم تھے، شمار نہ کیا جائے تو سرزمینِ ہند و پاکستان میں سب سے قدیم اسلامی زیارت گاہ اُچہ (ریاست بہاولپور) میں شیخ صفی الدین حقانی گازرونیؒ کا مزار ہے۔ شیخ صفی الدین مشہور صُوفی بزرگ خواجہ ابو اسحاق گازرونیؒ کے مرید اور خواہرزادے تھے، جو اپنی تبلیغی اور روحانی کوششوں کے لیے شہرۂ آفاق ہیں۔ شیخ صفی الدین ۹۶۲ء میں پیدا ہوئے۔ سترہ برس کی عمر میں اُچہ تشریف لائے اور ۱۰۰۰ء میں وفات پا گئے۔[1]

فوائد الفواد میں سُلطان المشائخ (حضرت نظام الدین اولیاؒ) کی زبانی ایک حکایت نقل ہوئی ہے کہ ایک مرتبہ اُچہ میں ایک جوگی شیخ صفی الدین گازرونی کی خدمت میں آیا۔ بحث شروع کی اور شیخ سے کہا کہ اگر تم سچے ہو تو کوئی کرامت دکھاؤ۔ اُنھوں نے فرمایا کہ دعوے لے کر تم آئے ہو۔ تم کرامت دکھاؤ۔ اس پر وہ جوگی زمین پر سے ہوا میں سیدھا اُوپر کو اُڑا۔ اور پھر اپنی جگہ پر آ بیٹھا اور کہا کہ تم بھی کچھ دکھاؤ۔ شیخؒ نے آسمان کی طرف مُنہ کر کے درگاہِ باری تعالےٰ میں التجا کی کہ اے پروردگار! تو نے بیگانوں کو یہ طاقت عطا کی ہے۔ مجھے بھی کچھ عنایت کر!

---

[1] تاریخ اُچہ (مرتبہ مولوی محمد حفیظ الرحمان بہاولپوری) ص ۴۰

marfat.com

"محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

بعد ازاں شیخ اپنی جگہ سے قبلہ رُخ اُڑے۔ پھر مشرق کی سمت۔ پھر شمال کو پھر جنوب کی طرف اور پھر اپنی جگہ پر آگئے۔ جوگی یہ دیکھ کر قائل ہوگیا۔ اور کہا کہ میں تو صرف سیدھا اُوپر اُڑ سکتا ہوں اور آپ ہر سمت اُڑ سکتے ہیں۔ واقعی آپ سچے ہیں اور ہم باطل۔

اخبار الاخیار میں شیخ عبدالحق محدثؒ لکھتے ہیں کہ قصبۂ اچہ کی بُنیاد شیخ صفی الدین گازرونیؒ نے رکھی۔ ان کے ماموں شیخ ابو اسحاق گازرونیؒ نے انھیں نعمتِ خلافت سے فیض یاب کر کے حکم دیا کہ تم اونٹ پر سوار ہو جاؤ اور جدھر اونٹ جائے، اُسی طرف چلتے جاؤ۔ جب اونٹ اچہ کی سرزمین میں پہنچا تو ایسا بیٹھا کہ اُٹھنے سے انکار کر دیا۔ شیخ نے یہیں توطن اختیار کیا۔ عمارتیں بنوائیں اور اس جگہ کو آباد کیا۔ (ص ۲۰۵)

فی الواقع قصبہ اچہ بہت پُرانا ہے بلکہ ان شہروں میں سے ہے۔ جن کی آبادی کو سکندرِ اعظم سے منسوب کیا جاتا ہے۔ لیکن بہت دفعہ اُجڑ کر بگڑا اور آس پاس کئی آبادیاں ہوئیں۔ ممکن ہے شیخؒ نے پُرانی آبادی سے دُور ایک بستی بسائی ہو۔

شاہ یُوسف گردیزی مُلتانیؒ

سندھ و مُلتان کی دوسری زیارت گاہ ملتان میں شاہ محمد یوسف گردیزیؒ کا مزار

لہ فوائد الفواد میں سلطان المشائخ کے ملفوظات و ارشادات مشہور فارسی شاعر امیر حسن سنجری نے سلطان المشائخ سے سُن کر بڑی احتیاط سے ترتیب دیے تھے۔ بالعموم اس میں وہ واقعات ہیں، جو سلطان المشائخ یا ان کے مُرشد شیخ کبیر بابا فرید گنج شکر یا ان کے معاصرین کو پیش آئے۔ اس میں خارقِ عادت واقعات بہت تھوڑے ہیں۔ لیکن شیخ صفی الدین اور سلطان المشائخ کے درمیان دو صدیوں کا بُعد تھا۔ ان کے متعلق وہ پوری تحقیق نہ کر سکتے تھے۔ لہٰذا جو روایت سلطان المشائخ نے اپنے بزرگوں سے سُنی بیان کر دی۔

marfat.com

"محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

ہے۔ ان کا خاندان اصل میں بغداد کا تھا۔ لیکن ان کے بزرگ بغداد سے گردیز چلے گئے۔ اس لیے اب انھیں گردیزی کہتے ہیں۔ شیخ عبدالحق محدث نے تو شاہ صاحب کو شیخ بہاءالدین زکریا کا ہمعصر بیان کیا ہے لیکن مقامی روایات کے مطابق آپ کی تاریخ ولادت ۴۶۲ ہجری (سنہ ۱۰۶۹ء) اور تاریخ وفات سنہ ۵۴۶ھ (سنہ ۱۱۵۲ء) ہے۔ آپ گردیز میں پیدا ہوئے اور بہرام شاہ غزنوی کے عہدِ حکومت میں ملتان تشریف لائے۔ آپ کا مزار ملتان کی مشہور زیارت گاہوں میں سے ہے۔ شاہانِ اسلام نے اس کے ساتھ بہت سی جاگیریں معافی میں دے رکھی تھیں لیکن مہاراجا رنجیت سنگھ نے انھیں ضبط کرلیا۔ گردیزی سادات زیادہ تر شیعہ عقائد کے ہیں اور علم و فضل سے بڑی رغبت رکھتے ہیں۔

خطۂ لاہور کے عُلما و مشائخ

سندھ اور ملتان کے بعد شمالی ہندوستان میں ہدایت کا سرچشمہ سب سے پہلے لاہور میں پھوٹا بلکہ چونکہ سندھ اور ملتان پر قرامطہ قابض ہوگئے تھے اور ان کا کئی صدیوں تک کسی نہ کسی صورت میں وہاں اثر برقرار رہا۔ اس لیے لاہور کو جلد ہی ان علاقوں پر فوقیت حاصل ہوگئی اور جب ہندوستان میں اسلامی حکومت کے قیام کے بعد قرمطیوں کا ملتان اور سندھ سے قلع قمع ہُوا تب ہی شیخ بہاءالدین زکریا اور دوسرے بزرگوں کی بدولت ملتان کو اپنی کھوئی ہوئی عظمت واپس ملی۔

شیخ اسمٰعیل لاہوری[۲] تاریخی کتابوں میں سب سے پہلے جس مبلّغِ اسلام کا نام آتا ہے وہ شیخ اسمٰعیل لاہوری تھے جو یہاں اُس زمانے میں آئے، جب ابھی لاہور میں ایک ہندو راجا حکمران تھا۔ وہ شاید سلطان محمود غزنوی کو

---

[۱] حضرت سالار مسعود غازی (شہادت سنہ ۱۰۳۳ء)

[۲] شیخ اسمٰعیل لاہوری اس زمانے کی مشہور شخصیت ہیں لیکن (بعد کی روایات کے مطابق' جن کا تحریری ماخذ دب نجوط

marfat.com

"محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

خراج دیتا تھا، لیکن سلطان نے ابھی لاہور میں اپنا نائب مقرر نہیں کیا تھا۔ شیخ اسمٰعیل بخاری سید تھے اور علوم ظاہری اور باطنی دونوں میں دسترس رکھتے تھے۔ ان کی نسبت لکھا ہے کہ واعظین اسلام میں وہ سب سے پہلے بزرگ تھے، جنھوں نے لاہور کے شہر میں جہاں وہ ۱۰۵۵ء میں آئے تھے، وعظ کیا۔ ان کی مجلسِ وعظ میں سامعین کا ہجوم ہوتا تھا اور ہر روز صدہا لوگ خلعتِ اسلام سے مشرف ہوتے تھے۔ تذکرۂ علماے ہند میں لکھا ہے: "از عظماے محدثین و مفسرین بود۔ اوّل کسے است کہ علمِ تفسیر و حدیث بہ لاہور آوردہ۔ ہزار ہا مردم در مجلسِ وعظ وے مشرف باسلام شدند۔ در سال چہار صد و چہل و ہشت ہجری در لاہور درگذشت" خزینۃ الاصفیا کا بیان ہے: "چوں شیخ اسمٰعیل در لاہور تشریف آورد۔ بروز جمعہ ثالث یک ہزار کس در زمرۂ اہلِ توحید داخل گشتند۔"

شیخ اسماعیل کے علاوہ لاہور میں دوسرے متعدد علما و مشائخ تھے۔ علامہ سمعانی نے کتاب الانساب میں اس شہر کو بابرکت اور کثیر الخیر شہروں میں شمار کیا ہے۔ کیونکہ یہاں بہت سے علما و صلحا پیدا ہوئے۔ لیکن انھوں نے نام فقط

[بقیہ نوٹ صفحہ ۷۴] برنی اور عفیف سے ہوتا ہے)۔ ہندوستان کی ایک مشہور زیارت گاہ ان کی زندگی ہی میں صوبجات متحدہ کے شہر بھرائچ میں قائم ہو چکی تھی۔ یہ حضرت مسعود غازی (جنھیں میاں غازی یا سالار بالا پیر بھی کہتے ہیں) کا مشہد اور مزار تھا۔ انھیں سلطان الشہدا کا لقب بھی حاصل ہے اور چونکہ وہ ہندوستان کے سب سے پہلے شہدا میں سے تھے، اور خاص امتیاز رکھتے تھے۔ بعض لوگوں کا عقیدہ ہے کہ جب ہندوستان میں کوئی شہید ہوتا ہے تو وہ ان کے متابعین میں گنا جاتا ہے۔ آپ سلطان محمود غزنوی کے خواہر زادے تھے۔ کئی لڑائیوں کے بعد جن میں آپ کو اور آپ کے والد کو بڑی کامیابی ہوئی، آپ بھرائچ کے ہندو سرداروں سے لڑتے ہوئے اپنے ساتھیوں کے ساتھ ۱۰۳۳ء میں شہید ہوئے۔ سلطان محمد تغلق نے آپ کے مزار کو دوبارہ بڑی شان سے تعمیر کرنے کا حکم دیا تھا۔ آپ سے اور آپ کے مزار سے کئی کرامتیں منسوب کی جاتی ہیں اور عوام الناس میں آپ کا بڑا اثر ہے۔

(باقی صفحہ ۷۶ پر)

marfat.com

"محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

تین گنائے ہیں۔ جن سے انھیں کسی طرح کا علاقہ تھا۔ ان میں زیادہ مشہور ابوالحسن علی بن عمر بن حکم لاہوری تھے۔ جو ادیب و شاعر ہونے کے ساتھ ساتھ محدث بھی تھے۔ اور ان کے فیوض اس قدر عام تھے کہ نہ صرف ہندوستان بلکہ بغداد بھی ان سے مستفید ہُوا۔ علامہ سمعانی فرماتے ہیں کہ اگرچہ مجھے ان سے بذاتِ خود فیض پانے کا موقع نہیں ملا۔ لیکن حافظ ابوالفضل محمدؒ بغدادی کے واسطہ سے میں ان کا شاگرد ہوں۔ ان کے ایک دوسرے شاگرد ابوالفتح عبدالصمد لاہوری تھے۔ جو سمرقند میں درس دیتے تھے۔ اور وہیں علامہ سمعانی نے ان سے شیخ ابوالحسن کی روائتیں سنیں شیخ ابوالحسن کا وصال ۵۲۹ھ میں ہُوا۔

لاہور کے شعرا و ادبا کے حالات ہم ارمغانِ پاک کے دیباچہ اشاعتِ ثانی) میں درج کر چکے ہیں۔

حضرت داتا گنج بخش لاہوریؒ
سنہ ۱۰۰۹ء تا سنہ ۱۰۷۲ء

شیخ اسمٰعیل سے بھی زیادہ جس بزرگ نے نام پیدا کیا، وہ غزنی کے شیخ علی بن عثمان ہجویریؒ تھے جو داتا گنج بخش کے نام سے زیادہ مشہور ہیں۔ وہ سنہ ۱۰۰۹ء کے قریب پیدا ہوئے اور مختلف اسلامی ممالک کے سفر کے بعد سلطان مسعود ابن محمود غزنوی کے اخیر عہدِ حکومت میں

(بقیہ نوٹ صفحہ ۷۵) بھڑائچ میں جہاں آپ کا مزار ہے آپ کا عُرس بڑی دُھوم دھام سے ہوتا ہے اور اس کے علاوہ لاہور، دہلی اور دیگر بڑے شہروں میں بھی آپ کے نام پر عَلم نکالے جاتے ہیں۔

بابا رتن ہندی ایک اور نہایت قدیمی نام شیخ ابوالرضا رتن ہندی کا ہے، جن کا ذکر امام ذہبی۔ علامہ ابن حجر جیسے بزرگوں نے تفصیل سے کیا ہے، لیکن جن کے حالات پر روایات کا پردہ چھایا ہُوا ہے۔ کہا جاتا ہے۔ کہ وہ بھٹنڈہ میں پیدا ہوئے۔ عہدِ رسالت میں موجود تھے۔ رسولِ اکرمؐ نے بھی درازی عمر کی دعا دی۔ چنانچہ وہ کئی سو سال کی عمر پاکر سنہ ۶۰۰ھ کے بعد وفات پاگئے۔ اور بھٹنڈہ میں مدفون ہوئے (ملاحظہ ہو نزہت الخاطر جلد اوّل صفحات ۱۴۷-۱۵۴)

marfat.com

"محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

دو ساتھیوں کے ہمراہ لاہور تشریف لائے۔ یہاں آپ نے ایک مسجد کی تعمیر میں حصہ لیا۔ کچھ دیر تک درس دیتے رہے۔ پھر تصنیف و تالیف میں مشغول ہوئے۔ کہا جاتا ہے کہ کئی لوگ آپ کے ہاتھ پر اسلام لائے، جن میں سے رائے راجو جو سلطان مودود ابن مسعود غزنوی کی طرف سے لاہور کا نائب تھا، خاص طور پر ذکر کے قابل ہے۔ مسلمان کرنے کے بعد آپ نے اس کا عرف شیخ ہندی رکھا اور اس کی نسل کے لوگ دو چار سال پہلے تک آپ کے مزار کے خدام و مجاور تھے آپ کی وفات ۴۶۵ھ میں یعنی ۱۰۷۲ء کے قریب ہوئی۔

جب داتا گنج بخش پاکستان آئے اس وقت تصوف اپنی تاریخ کے دوسرے دور میں تھا۔ منصور حلاج، ذوالنون مصری اور خواجہ بایزید بسطامی نے تصوف میں بعض نئی (اور غیر اسلامی) چیزیں داخل کر دی تھیں، لیکن ابھی زہد و اتقا کو تصوف میں نمایاں جگہ حاصل تھی اور داتا صاحب تو شرع اور اصولِ دینی پر پوری طرح عامل تھے۔ انھوں نے اپنے زمانے کے صوفی فرقوں کا حال لکھا ہے۔ اس میں حسین فارسی (منصور حلاج) اور ابوسلمان کے حلولی فرقوں کو ملحد اور لعنتی کہا ہے۔ فرماتے ہیں (ترجمہ):۔

"میں نہیں جانتا فارسی کون ہے اور ابوسلمان کون اور انھوں نے کیا کیا اور کیا کہا۔ لیکن جو شخص تحقیق اور توحید کے خلاف چلتا ہے، اس کو دین میں کچھ نصیب نہیں ہوتا اور جب دین جو اصل ہے مضبوط نہ ہو تو تصوف جو اس کی شاخ ہے کس طرح مفید ہو سکتا ہے"۔

داتا گنج بخش کئی کتابوں کے مصنف تھے۔ مثلاً کشف المحجوب، کشف الاسرار، منہاج الدین، البیان لاہل العیان۔ یہ کتابیں اس وقت لکھی گئیں جب تصوف کی مشہور کتابیں مثلاً شیخ شہاب الدین سہروردی کی عوارف المعارف اور ابنِ عربی کی فصوص الحکم ابھی نہیں لکھی گئی تھیں اور تصوف کی موجودہ تدوین، جس نے بعض باتوں میں اسے شرع اسلامی سے ایک مختلف نظام بنا دیا ہے، نہ ہوئی تھی۔

marfat.com

"محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

حضرت داتا گنج بخش کی تصانیف میں متاخرین صوفیہ کا غلو یا نیم مُخت عقائد اور خیالات کا طومار نہیں۔ بیشتر دُنیا اور دُنیا داری سے دُور رہ کر مُرشد کی پیروی کر کے اللہ اللہ کرنے اور دل کو کبر و حرص سے پاک رکھنے کی باتیں ہیں۔ آپ شاعر بھی تھے۔ دیوان تو اب نہیں ملتا البتہ نثر کی بعض کتابوں میں اشعار موجود ہیں ۵

اشتیاقِ روز و شب دارم دلا | عشقِ تو دارم نہان و برملا
جاں بخواہم داد اندر کوئے تو | گر مرا آزار آید یا بلا
سوزِ تو دارم میانِ جان و دل | میدہم از عشقِ تو ہر سُو صدا
دلبرا از تو ہمے خواہم لقا | کُن تو یاری اے "مکن ہرگز تو لا"

اے علی تو فرخی در شہر دگو
دہ ز عشقِ خویشتن ہر سُو صلا

کشف المجوب جسے پروفیسر نکلسن نے انگریزی قالب میں ڈھالا ہے، آپ کا شاہکار ہے۔ اور چونکہ فارسی زبان میں تصوف پر یہ پہلی کتاب ہے اس کی تاریخی اہمیت بھی بہت زیادہ ہے۔ یہ کتاب آپ نے اپنے رفیق ابوسعید ہجویری کی خواہش پر جو آپ کے ساتھ غزنی چھوڑ کر لاہور آئے تھے، لکھی اور اس میں تصوف کے طریقے کی تحقیق، اہلِ تصوف کے مقامات کی کیفیت، ان کے اقوال اور صوفیانہ فرقوں کا بیان، معاصر صوفیوں کے رموز و اشارات اور متعلقہ مباحث بیان کیے ہیں۔ اہلِ طریقت میں اس کتاب کو بڑا مرتبہ حاصل ہے۔ داراشکوہ کا بیان ہے: "کشف المجوب مشہور و معروف است و ہیچکس را بماں سخن نیست و مُرشدے است کامل۔ در کتبِ تصوف بہ خوبی آں در زبانِ فارسی تصنیف نہ شدہ ۱۔"

کشف المجوب سے معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانے میں صوفیا کے درمیان

---

۱ سفینۃ اولیا ص ۱۶۴

marfat.com

"محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

سماع کا رواج ہو گیا تھا۔ داتا گنج بخش صاحب ایک جگہ لکھتے ہیں: (ترجمہ)

"کرمان میں ایک دفعہ میں شیخ ابو احمد مظفر کی خدمت میں حاضر ہُوا۔ سفر کے کپڑے تھے اور پریشان حال تھا۔ مجھے فرمانے لگے: اے ابوالحسن! تمھیں کس چیز کی خواہش ہے۔ مَیں نے کہا: مجھے اس وقت سماع کی طلب ہے۔ انھوں نے ایک قوال کو بُلوایا اور درویشوں کی ایک جماعت بھی جوش و خروش کے ساتھ آئی۔ مجھے سماع کے الفاظ نے مضطرب کر دیا۔ جب وقت گزرا اور میرا جوش کم ہُوا تو شیخ ابو احمد پُوچھنے لگے کہ سماع کا کیا اثر ہُوا۔ مَیں نے کہا: یا شیخ! بڑی مسرت ہوئی۔ فرمانے لگے کہ ایک وقت آئے گا کہ سماع اور کوّے کی آواز میں تیرے لیے فرق نہ رہے گا۔ کیونکہ قوتِ سماع اُس وقت تک ہے جب تک مشاہدہ حاصل نہ ہو۔ جب مشاہدہ حاصل ہوتا ہے سماع کی خواہش مٹ جاتی ہے۔ چنانچہ ایسا ہی ہُوا اور بالآخر آپ نے سماع سے توبہ کر لی اور نہایت صاف طور پر لکھا:۔

"مَیں عثمان جلابی کا بیٹا علی اُس کو دوست رکھتا ہوں جو سماع میں نہ پڑے اور طبیعت کو پریشان نہ کرے کیونکہ اس میں بڑے خطرے ہیں۔ اور بڑی آفت یہ ہے کہ عورتیں کسی اُونچے مقام سے سماع کے حال میں درویشوں کو دیکھتی ہیں اور نوجوان اور نوخاستہ ان مجلسوں میں شریک ہوتے ہیں، جس سے خرابیاں پیدا ہوتی ہیں۔ اس آفت سے مجھ پر جو کچھ گزرا ہے، گزرا ہے (آیندہ کے لیے) استغفار پڑھتا ہوں اور خدا تعالےٰ سے مدد مانگتا ہوں کہ میرے ظاہر اور باطن کو آفتوں سے نگاہ رکھے۔" (ترجمہ)

داتا گنج بخش کے خیالات کا متاخرین سے مقابلہ کریں تو ان کی اصابتِ رائے، خلوص اور تقوےٰ کی داد دینی پڑتی ہے لیکن زاہدانہ رنگ جو ابتدائی صوفیوں میں کبھی کبھی رہبانیت کی حد تک جا پہنچتا تھا، ان میں بھی موجود تھا۔ اپنی تصانیف میں اُنھوں نے عورتوں کی خوب خبر لی ہے۔ ایک جگہ لکھتے ہیں: (ترجمہ)

marfat.com

"محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

"بہشت میں سب سے پہلا فتنہ جو آدمؑ پر مقدر ہُوا ہے۔ اس کا اصل یہی عورت تھی۔ پہلے پہل جو فتنہ دُنیا میں ظاہر ہُوا یعنی ہابیل اور قابیل کی لڑائی۔ اس کا سبب بھی یہی ذات شریف تھی اور جب خدا نے چاہا کہ دو فرشتوں (ہاروت۔ ماروت) کو سزا دے تو اس کا سبب بھی عورت ہی کو قرار دیا اور آج کے دن (یعنی ۵۶۵ھ کے قریب تک) دینی اور دُنیاوی فتنوں کے تمام اسباب کا ذریعہ یہی عورتیں ہیں"۔

آپ کی ازدواجی زندگی کے متعلق واضح واقفیت نہیں ملتی لیکن کشف المحجوب میں اس مسئلے پر جو اندراج ہے وہ دلچسپی سے خالی نہیں۔ فرماتے ہیں۔ (ترجمہ)

"مَیں جو کہ علی بن عثمان جلابی ہوں۔ حق تعالےٰ نے مجھے گیارہ سال تک شادی کی آفت سے بچائے رکھا۔ پھر تقدیر سے مَیں آزمائش میں ڈالا گیا۔ میرا ظاہر و باطن ایک پری صفت کا اسیر ہُوا۔ بغیر اس کے کہ مَیں نے اسے دیکھا ہو۔ ایک سال تک مَیں اس کے خیالات میں غرق رہا۔ نزدیک تھا کہ یہ چیز میرے دینی معاملات میں خلل انداز ہو کہ اللہ تعالےٰ نے کمال لُطف و فضل سے عصمت کو دل بیچارہ کے استقبال کے لیے بھیجا اور اپنی رحمت سے مجھے اِس مصیبت سے نجات دلائی"۔

آج کل بعض واعظ اور اہلِ مذہب اس امر پر بڑا زور دیتے ہیں کہ ہم بدترین زمانے میں پیدا ہوئے ہیں۔ انگریزی تعلیم اور مغربی اثرات نے ہماری خوبیوں کو نیست و نابود کر دیا ہے اور آج سے پہلے اسلامی حکومت کے دوران میں ہر طرف نیکیوں کا دور دورہ تھا۔ تاریخ سے واقفیت رکھنے والے جانتے ہیں کہ اس خوشگوار نظریے میں صداقت کا عنصر کس قدر ہے۔ لیکن یہ دلچسپ نفسیاتی حقیقت ہے کہ راہبانہ طبیعتیں ہمیشہ دُنیا کو دارالشیاطین سمجھتی رہی ہیں۔ داتا گنج بخش اس زمانے کی نسبت جب دُنیا کے سب سے بڑے بُت شکن نے ابھی ابھی اپنا کام پُورا کیا تھا لکھتے ہیں: (ترجمہ)

marfat.com

"محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

"خداوند بزرگ و بلند نے ہمیں اس زمانے میں پیدا کیا ہے جب لوگوں نے حرص و لالچ کا نام شریعت اور تکبر و جاہ و ریاست کی طلب کا نام عزت اور علم، ریائے خلق کا نام خوفِ الٰہی اور دل میں کینہ پوشیدہ رکھنے کا نام حلم، لڑائی جھگڑے کا نام بحث مباحثہ، ہذیانِ طبع کا نام معرفت، نفسانی باتوں اور دل کی حرکتوں کا نام محبت۔ خدا کے رستے سے منحرف اور بے دین ہونے کا نام فقر۔ حق تعالےٰ اور آخرت پر ایمان نہ رکھنے کا نام فنا فی اللہ اور ترکِ شریعت کا نام طریقت رکھ لیا ہے۔"

امام حسن صنعانی لاہوریؒ

جو مرتبہ قدیم مشائخ میں داتا گنج بخشؒ کا تھا، قریب قریب وُہی مرتبہ اس دَور کے علماء و محدثین میں محدث امام رضی الدین ابوالفضائل حسن صنعانی لاہوری کا تھا۔ ان کے والد ماوراء النہر سے آکر ہندوستان میں سکونت پذیر ہوئے۔ امام صنعانی لاہور میں ۵۷۷ھ میں پیدا ہوئے۔ یہیں نشوونما پائی۔ مولانا عبدالحی ندوی نزہۃ الخواطر میں لکھتے ہیں کہ سُلطان قطب الدین ایبک نے ان کو لاہور کی قضاۃ پیش کی، لیکن انھوں نے قبول نہ کی۔ اور مزید علوم کی تحصیل کے لیے وطن سے باہر نکل کھڑے ہوئے۔ پہلے غزنی آئے۔ پھر عراق پہنچے۔ جہاں علوم و فنون کی تکمیل کی۔ اور لغت و حدیث کے امام قرار پائے۔ بغداد میں آپ نے خلیفہ مستنصر باللہ عباسی کے لیے اپنی مشہور و معروف کتاب مشارق الانوار لکھی۔ جس کے صلہ میں ان کو خلعت عطا ہُوا۔ پھر مکہ معظمہ تشریف لے گئے۔ جب بغداد واپس آئے تو خلیفہ نے انھیں وہ اہم فرمان دے کر سلطان شمس الدین التمش کے پاس بھیجا، جس میں موخرالذکر کی مستقل حکومت اور خود مختاری تسلیم کی تھی۔ آپ ایک عرصہ ہندوستان رہے۔ پھر حج کے لیے مکہ معظمہ گئے۔ وہاں سے بغداد میں آکر پھر درس و تدریس شروع کیا۔ خلیفہ بغداد کی طرف سے سفیر بن کر وہ سُلطانہ رضیہ کے عہد میں پھر ہندوستان آئے اور یہاں کچھ عرصہ قیام کر کے پھر

marfat.com

"محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

بغداد گئے اور ۶۵۰ھ میں وہیں وفات پائی۔ آپ کا جسدِ خاکی حسبِ وصیت مکہ معظمہ منتقل کیا گیا۔

آپ نے لغت، حدیث اور فقہ میں متعدد کتابیں لکھیں۔ بعض کتابیں نہایت طویل اور مفصل تھیں۔ مثلاً فنِ لغت میں ایک کتاب بیس جلدوں میں تھی اور دوسری بارہ جلدوں میں۔ لیکن شاید سب سے زیادہ مقبولیت مشارق الانوار کو حاصل ہوئی، جس میں احادیث کی ترتیب ابتدائی الفاظ کی بنا پر تھی۔ اس کتاب کو ہندوستان میں اور ہندوستان سے باہر بڑی شہرت حاصل ہوئی۔ ایک عرصے تک ہندوستان میں علمِ حدیث میں فقط یہی کتاب رائج تھی۔ اور "عالمِ اسلام کے ممتاز علما نے ڈھائی ہزار سے زیادہ شروح و حواشی لکھے"۔ (بزمِ مملوکیہ)

کتابوں کے علاوہ آپ کا فیض آپ کے شاگردوں نے عام کیا۔ جن میں مولنا برہان الدین محمود بلخی کا ذکر ہم آیندہ صفحات میں کریں گے۔

سُلطان سخی سرورؒ

حضرت داتا گنج بخش کے بعد جس بزرگ نے پنجاب میں نام پایا وہ سلطان سخی سرور تھے۔ آپ کا نام سید احمد تھا اور سلطان سخی سرور یا لکھ داتا کے لقب سے مشہور ہیں۔ مضافاتِ ملتان میں ایک موضع کرسی کوٹ میں پیدا ہوئے اور لاہور میں مولوی محمدؐ اسحٰق لاہوری سے علومِ ظاہری کی تکمیل کی۔ مشہور ہے کہ تصوف میں آپ نے اپنے والد کے علاوہ حضرت غوثِ اعظمؒ اور شیخ شہاب الدین سہروردیؒ سے بھی فیض حاصل کیا۔ اس کے بعد لاہور سے کوئی ساٹھ ستر میل شمال مغرب کی طرف وزیر آباد کے پاس موضع سودھرہ میں اقامت اختیار کی۔ اور یادِ الٰہی اور ہدایتِ خلق میں مشغول ہوئے۔ آپ کو خدا نے بڑی قبولیت دی۔ خلقت کے ٹھٹھ کے ٹھٹھ حصولِ مراد کے لیے آپ کے پاس آتے اور کوئی نامراد نہ جاتا۔ اس لیے آپ سُلطان سخی سرور کے لقب سے مشہور ہیں۔ بعد میں آپ مقام دھونکل[1] میں کئی سال رہے۔ اس کے

---

[1] دھونکل میں اب تک آپ کی درگاہ موجود ہے۔ جہاں ہر سال اساڑھ کی پہلی جمعرات کے روز

marfat.com

"محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

بعد وطن کی محبت دامنگیر ہوئی اور ضلع ڈیرہ غازی خاں کے ایک گاؤں میں جسے اب شاہ کوٹ کہتے ہیں، واپس تشریف لے گئے۔ وہاں بھی آپ کو بڑا فروغ ہُوا۔ حاکمِ ملتان نے اپنی بیٹی آپ سے بیاہ دی لیکن اس سے حاسدوں کی آتشِ حسد بھی تیز ہوئی۔ چنانچہ انھوں نے یکجا ہو کر آپ کو اور آپ کے بھائی اور بیٹے اور اہلیہ محترمہ کو شہید کر دیا۔ یہ واقعہ سنہ ۱۱۸۱ء کا ہے۔ مزار شاہ کوٹ کے قریب ہے۔

سلطان سخی سرور کے ساتھ صُوفی تذکرہ نگاروں نے بڑی بے اعتنائی برتی ہے۔ لیکن پنجاب میں آج بھی ان کا اثر دیکھ کر کہا جا سکتا ہے کہ وہ بڑے صاحبِ سطوت بزرگ تھے۔ بالخصوص پنجاب میں شاید ہی کوئی مسلمان اہل اللہ ہو گا جس کے اس کثرت سے ہندو مُعتقد ہوں۔ آپ کے ہندو مُعتقدوں کو سلطانی کہتے ہیں۔ اور مشرقی پنجاب بالخصوص جالندھر ڈویژن کے تمام زراعت پیشہ جاٹ ہندو جو سکھ نہیں ہو گئے، سلطانی ہیں۔ ضلع جالندھر کے سرکاری گزٹیر میں لکھا ہے: "اجمالی طور پر ہندو آبادی دو حصّوں میں تقسیم ہو سکتی ہے۔ گرو کے سکھ یعنی 'سکھ' اور سلطانی جو ایک مسلمان پیر کے جسے سلطان سخی سرور یا لکھ داتا بھی کہتے ہیں۔ پیرو ہیں" (ص ۱۲۱) آگے چل کر لکھا ہے "زراعت پیشہ ہندوؤں میں سلطانیوں کی اکثریت ہے اور ان میں کئی چمار بھی ہیں۔ ان کا بیان ہو چکا ہے۔ اگر وہ گوشت کھائیں تو صرف حلال کیا ہُوا گوشت کھاتے ہیں۔ وہ سکھوں کے خلاف حُقّہ کثرت سے پیتے ہیں۔ اور سر کے بال جس طرح چاہیں رکھتے ہیں۔

(بقیہ نوٹ ص ۸۲) شاندار عُرس منایا جاتا ہے۔ جس میں بے شمار سُلطانی جو پیر بھائی بھی کہلاتے ہیں، بال بچّوں سمیت قافلہ در قافلہ شامل ہوتے ہیں اور جب یہ قافلے یا سنگ دھونکل جاتے ہوئے دریائے راوی کے پار مقبرۂ شہنشاہ جہانگیر میں قیام کرتے ہیں تو یہاں بہت بڑا میلہ لگتا ہے۔ جو میلہ پار کے نام سے مشہور ہے۔ یہ میلہ دو تین روز تک رہتا ہے۔ جس میں ہزاروں افراد حصّہ لیتے ہیں۔ ۱۲ (سنہ ۱۹۴۰ء میں لکھا گیا)

marfat.com

"محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

ان کے دیہات میں گاؤں سے باہر سلطان کی زیارتیں ہوتی ہیں۔ آٹھ یا دس فُٹ کے قریب اُونچی، چوڑی اور لمبی، جن کے اُوپر ایک گنبد ہوتا ہے اور چار کونوں پر چھوٹے چھوٹے مینار ہوتے ہیں۔ ہر جمعرات کو یہ زیارت صاف کی جاتی ہے اور رات کو چراغ جلائے جاتے ہیں۔ جمعرات کو اس زیارت کا نگہبان جو مسلمان اور بھرائی قوم کا فرد ہوتا ہے، گاؤں میں ڈھول لے کے جاتا ہے اور نیاز اکٹھی کرتا ہے۔" (ص ۱۲۴) ضلع لُدھیانہ کے گزیٹیر میں بھی اسی طرح کا اندراج ہے۔ "ابھی تک یہ تحقیق نہیں ہو سکا کہ سلطان سخی سرور سے عقیدت مندی اس ضلع میں کب شروع ہوئی۔ لیکن کہا جاتا ہے کہ جاٹ گزشتہ تین چار سو سال میں یہ عقائد اپنے ساتھ لائے۔ یہ امر اغلب ہے کہ سلطانی عقائد پندرھویں سولھویں صدی کے درمیان مغربی پنجاب سے مشرق کی طرف پھیلتے گئے اور گورو گوبند سنگھ کے زمانے میں قریباً سبھی جاٹ سلطانی تھے۔ کیونکہ جو ہندو سکھ ہوئے تھے وہ بھی سلطانیوں میں سے تھے۔ سُلطانی ظاہراً عام ہندوؤں کی طرح شو یا دیوی کے پُجاری ہیں۔ لیکن جمہور کے ہندو مذہب کی یہ امتیازی خصوصیت ہے کہ پیر اور اس کے پیر خانہ نے محسوس ہونے کی بنا پر دیوتاؤں کو بالکل نکال دیا ہے۔"

سلطانیوں کی سب سے بڑی رسم سلطان سخی سرور کے مزار کی زیارت ہے جو وسطِ فروری کے قریب شروع ہوتی ہے اور بھرائی اپنے اپنے دیہات سے قافلے لے کر ڈیرہ غازی خاں کا رُخ کرتے ہیں۔ سکھوں کے عہدِ حکومت میں دیوان ساون مل نے جو مُلتان کا گورنر تھا یہ جاترا بند کرنے کی کوشش کی اور تمام ہندوؤں کو جو سُلطان سخی سرور کی زیارت کو جاتے تھے فی کس سو روپیہ جُرمانہ کیا۔ لیکن اس سے بھی مُعتقد نہ رُکے اور انیسویں صدی کے اخیر تک، جب لُدھیانہ اور جالندھر کے گزیٹیر مرتب ہوئے۔ سُلطانی ہندو اپنے عقاید میں مُستحکم تھے۔ لیکن سُننے میں آیا ہے کہ اب کچھ عرصے سے ان میں باقاعدہ سکھ ہو جانے کا

marfat.com

"محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

رجحان زیادہ ہے اور شاید جالندھر۔ لُدھیانہ اور دوسرے مشرقی اضلاع میں ان کی تعداد کم ہو گئی ہو!

بزرگانِ دیگر!

اِن کے علاوہ لاہور کے کئی علما و مشائخ کے نام ملتے ہیں۔ مثلاً سیّد احمد توختہ ترمذی ثم لاہوری۔ آپ کا وطن ترمذ تھا۔ لیکن وہاں سے تشریف لاکر محلہ چہل بیبیاں لاہور میں اقامت اختیار کی۔ "ہزارہا طالبانِ حق را بحق رسانید و خلقِ کثیر ازاں پیر روشن ضمیر بہرہ مند دُنیا و آخرت شد۔" آپ ۶۰۲ھ میں انتقال کر گئے۔ ان کے علاوہ سیّد یعقوب صدر دیوان زنجانی کا نام بھی ملتا ہے۔ آپ ۵۳۵ھ میں ترکستان سے لاہور تشریف لائے۔ اس زمانے میں بہرام شاہ غزنوی ہندوستان کا بادشاہ تھا اور لاہور کا حاکم طغرل تھا۔ وہ آپ کا بڑا معتقد ہو گیا اور بہت سے لوگ آپ کے مُرید ہو گئے۔ مشہور ہے کہ جب خواجہ بزرگ رح تشریف لائے اور لاہور میں حضرت داتا گنج بخش کے مزار پر مُعتکف ہوئے تو ان کے اور سیّد یعقوب کے درمیان بڑی دوستی پیدا ہو گئی۔ آپ کی وفات ۶۰۴ھ میں ہوئی۔

ایک اور بزرگ شیخ عزیز الدین مکی لاہوری تھے۔ آپ کا وطن بغداد تھا۔ لیکن بارہ سال مکہ معظمہ میں مقیم رہے۔ اس لیے پیر مکی کے نام سے مشہور ہوئے ۵۷۴ھ میں لاہور تشریف لائے۔ اس وقت لاہور میں غزنویوں کی حکومت تھی۔ لیکن سلطان محمد غوری پنجاب میں آگیا تھا اور لاہور کا محاصرہ کر رہا تھا۔ لاہور کے غزنوی حاکم خسرو ملک نے آپ سے دُعا کی درخواست کی۔ آپ نے فرمایا کہ ابھی چند سال تمھیں امان ہے۔ اس کے بعد لاہور میں غوریوں کی حکومت

marfat.com

"محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

ہو جائے گی۔ چنانچہ ایسا ہی ہُوا۔ سُلطان شہاب الدین لاہور کا محاصرہ ترک کر کے سیالکوٹ کی طرف متوجہ ہُوا۔ اور چھ سال کے بعد پھر لاہور آ کر اس مُقام کو فتح کیا۔ شیخ عزیز الدین چھتیس سال تک مصروفِ ہدایت رہے اور بڑی خلقت آپ سے فیضیاب ہوئی۔ آپ نے ۶۱۲ھ میں رحلت کی۔

اسی زمانے میں حضرت سیّد مِٹھا لاہوری کے والد خوارزم سے لاہور تشریف لائے اور مقبولِ عام ہوئے۔ ان کی وفات کے بعد حضرت سیّد مِٹھا ان کے جانشین ہوئے۔ ان کا اصلی نام سیّد ابنِ عقار تھا لیکن آپ کی زبان میں اس قدر شیرینی اور حلاوت تھی کہ لوگ آپ کو سیّد مِٹھا یعنی شیریں کلام سیّد کہتے تھے۔ چنانچہ جس محلّے میں آپ رہتے تھے، وہ محلّہ بھی سیّد مِٹھا کے نام سے مشہور ہو گیا ہے۔ آپ نے ۷۷۱ھ میں وفات پائی۔

marfat.com

"محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

دورِ توسیع واشاعت

سنہ ۱۱۸۶ء سے سنہ ۱۳۲۱ء تک

(الف) توسیعِ حکومت

(ب) اشاعتِ اسلام

marfat.com

"محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

دورِ توسیع واشاعت

توسیعِ حکومت

سُلطان مُعزالدین محمدؒ غوری

سندھ اور مُلتان کا علاقہ تو مُسلمانوں نے پہلی صدی ہجری کے اندر فتح کر لیا تھا، لیکن اس کے بعد ان کی رفتارِ ترقی سُست پڑ گئی اور فتح ملتان سے فتح دہلی تک کوئی پونے پانسو سال کا عرصہ لگا۔

محمدؒ بن قاسم کے قریباً تین سو سال بعد سُلطان محمود غزنوی نے سرزمین ہند میں قدم رکھا اور فتح و نُصرت کے گھوڑے دُور دُور تک دوڑائے۔ لیکن محمود کی نگاہ کوٹ بتکدوں کے زر و جواہر نے خیرہ کر رکھا تھا۔ اس نے اپنی شاندار فتوحات سے سوائے جمع اموال کے کوئی ٹھوس فائدہ نہ اُٹھایا اور گجرات، کچھ، قنوج، کالنجر، کانگڑہ کے راجاؤں کو پامال کرنے کے باوجود شمالی ہندوستان میں وسیع اسلامی حکومت کی داغ بیل نہ ڈالی۔

محمود کے والد امیر سبکتگین نے فتح ہندوستان کا راستہ ایک حد تک صاف کر دیا تھا اور راجا جے پال کو شکست دے کر کابل اور پشاور میں اسلامی حکومت قائم کر دی تھی۔ محمود کی حیرت انگیز کامیابیوں کا عملی نتیجہ فقط اتنا ہُوا کہ لاہور اور اس کا گرد و نواح غزنوی حکومت کے زیرِ نگین آ گیا۔

محمود کی مُسلسل فتوحات نے راجپوتوں کا شیرازہ بالکل مُنتشر کر دیا تھا۔ شروع شروع میں تو جے پال کی حمائت میں سارے ہندوستان کے راجے مہاراجے

marfat.com

"محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

جمع ہو جاتے تھے۔ لیکن بعد میں جس مہاراجے کے خلاف سلطان چڑھائی کرتا اسے کسی طرف سے مدد نہ ملتی اور بعض جگہ تو سلطان کا ایسا رُعب چھایا ہُوا تھا کہ اس کی آمد کی خبر سُن کر ہی راجا دارالسلطنت چھوڑ کر فرار ہو جاتا۔ ایسی حالت میں اسلامی حکومت قائم کرنا آسان تھا۔ لیکن یہ نہ ہُوا اور محمود کے آخری حملے اور سلطان محمدؒ غوری کی آمد تک دو صدیاں گزریں۔ ان میں راجپوتوں کو ایک بار پھر اپنا نظام مُستحکم کرنے کا موقع مل گیا۔ ایک دفعہ تو ان کی اتنی ہمت بڑھی کہ انھوں نے لاہور پر حملہ کر کے غزنوی حکمران کو نکالنے کی کوشش کی اور جب ۱۱۹۳ء میں سلطان معزالدین غوری نے دوسری مرتبہ پرتھوی راج سے جنگ کی تو اس کے مُقابلے میں ایک سو پچاس راجپُوت راجے مہاراجے تھے!

جس مردِ مجاہد نے شمالی ہندوستان کے عسکری نظام کو پھر درہم برہم کیا اور صرف تخریب پر ہی اکتفا نہیں کی بلکہ اس کی جگہ اسلامی نظامِ حکومت کی مُستحکم بنیادیں قائم کیں، اس کا نام محمدؒ غوری تھا۔ وہ محمود غزنوی جیسا کامیاب سپہ سالار نہ تھا لیکن کیرکٹر کی مضبُوطی اور عقل و سمجھ میں اس سے بڑھ کر تھا۔ اسے کئی دفعہ ہزیمتوں کا سامنا کرنا پڑا لیکن وہ ان سے ہراساں نہ ہوتا۔ ایسے موقعوں پر اس کی بلند ہمتی اور قابلیت قابلِ دید تھی ؏

گر بہ پستی برسی، پست نگردی مردی!

اس کی ہمت اور خوش تدبیری شکست کو فتح میں بدل دیتی اور اپنی مشکلوں کے باوجود

لہ سلطان کا نام محمدؒ تھا۔ تخت نشینی کے بعد اس نے مُعزالدین کا لقب اختیار کیا۔ اس لیے صحیح طور پر اس کا نام سلطان معزالدین محمدؒ غوری ہونا چاہیے۔ لیکن چونکہ اسے ایام شاہزادگی میں شہاب الدین بھی کہتے تھے اور مملکت ہند میں اس کی اکثر فتوحات اس زمانے میں ہوئیں جب وہ ابھی شاہزادہ تھا اور اپنے بڑے بھائی سُلطان غیاث الدین غوری کا نائب تھا۔ اس لیے اسے بعض تاریخوں میں شہاب الدین غوری بھی کہتے ہیں۔ (ملاحظہ ہو طبقاتِ ناصری کا ترجمہ از میجر ریورٹی ص ۴۴۶)

marfat.com

"محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

اس نے اس قدر ٹھوس اور پائدار کام کیا جس کا عشرِ عشیر بھی محمود سے جسے کبھی ناکامی کا مُنہ دیکھنا نہ پڑا تھا، نہ ہو سکا۔

سلطان معزالدین غوری نے شروع سے ہندوستان میں حکومت قائم کرنے کا خواب دیکھا تھا۔ اس مقصد کے لیے سرحد پر جو مسلمان ریاستیں تھیں، ان پر قبضہ جمانا ضروری تھا۔ چنانچہ اس نے غزنی کی فتح کے بعد مُلتان، اچہ اور لاہور پر قبضہ کر لیا۔ اس کے بعد بھٹنڈہ کا قلعہ فتح کر کے یہاں اپنی طرف سے حاکم مقرر کیا۔ وہ اس فتح کے بعد غزنی واپس جا رہا تھا کہ سرحد کے سردار کی عرضی پہنچی کہ اجمیر اور دہلی کا راجا بے شمار فوج کے ساتھ بھٹنڈہ کو مسلمانوں سے چھڑانے کے لیے آ رہا ہے۔ اس کا تدارک لازم ہے ورنہ جو مسلمان وہاں مقیم ہیں، مارے جائیں گے۔ سلطان کے پاس پُوری فوج نہ تھی۔ لیکن بھٹنڈہ کے مسلمانوں[1] کا خیال کر کے اُس نے فوراً لشکر کو روک کر اُس طرف کا رُخ کیا۔ اِدھر سے پرتھوی راج آ رہا تھا۔ تھانیسر سے چودہ میل دُور ترائن (موجودہ تراوڑی) کے قریب دونوں فوجوں کا مقابلہ ہُوا۔ راجپُوتوں نے اس زور سے حملہ کیا کہ مسلمانوں کی صفیں بکھر گئیں اور افغان اور خلجی سپاہی میدان سے بھاگ نکلے۔

سلطان نے رہی سہی فوج کو سمیٹ کر پھر حملہ کیا اور گھوڑے پر سوار ہو کر اس جگہ جا پہنچا جہاں پرتھوی راج کا سپہ سالار کھانڈے راؤ ہاتھی پر سوار، فوج کی کمان کر رہا تھا۔ سلطان نے نیزے کا ایک ایسا وار کیا کہ کھانڈے راؤ کے کئی دانت گر گئے۔ لیکن اس نے بھی جوابی حملے میں پھُرتی اور تیزی دکھائی۔ سلطان کو زخم کاری لگا اور ڈگمگا کر گھوڑے سے گرنے ہی والا تھا کہ ایک باوفا غلام لپک کر پیچھے جا بیٹھا اور گھوڑے کو اُڑا کر نظروں سے غائب ہو گیا۔ بچے کھچے مسلمان سپاہی

---

[1] سلطان معزالدین بھٹنڈہ کو بچانے میں ناکام رہا۔ لیکن مسلمانوں کی ہمت اور قابلیت کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ جب پرتھوی راج نے ترائین کے میدان میں فتح پانے کے بعد بھٹنڈہ کا محاصرہ کیا تو قلعہ کے حاکم قاضی ضیاءالدین نے ۱۳ مہینے تک اس کا مقابلہ کیا اور تب جا کر قلعہ خالی کیا۔ (کیمبرج ہسٹری)

marfat.com

"محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

لاہور میں جمع ہوئے اور سلطان بھی وہاں کئی ہفتے صاحبِ فراش رہا۔

شمالی ہندوستان کی لڑائیوں میں یہ پہلا اہم معرکہ تھا جس میں مسلمانوں کو ہزیمت نصیب ہوئی تھی۔ محمدؒ غوری کو اس کا بڑا رنج ہُوا۔ اس نے غزنی پہنچ کر اُن امرائے غور و خلج پر جو میدانِ غزا سے بھاگے تھے۔ بڑا عتاب کیا۔ ان کی گردنوں میں جَو سے بھرے ہوئے توبرے لٹکائے اور شہر غزنی میں انھیں مثل گدھوں کے تشہیر کیا۔ خود بھی اس نے اپنے لیے خواب و خور حرام کیا کہتے ہیں کہ ایک سال تک نہ تو اس نے نئے کپڑے پہنے اور نہ ہی شبستانِ عیش میں داخل ہُوا۔ سال بھر دوسرے حملے کی تیاری کرتا رہا۔ جب ہندوستان روانہ ہونے کا وقت آیا تو اُن اُمراء کو جن سے برسرِ عتاب تھا اور جن کو دربار میں آنے کی ممانعت کر دی تھی بُلا کر سمجھایا۔ وہ اپنے کیے پر نادم تھے اور اُنھوں نے قسمیں کھائیں کہ اب میدان میں پیٹھ نہیں دکھائیں گے۔ چنانچہ محمدؒ غوری پُوری تیاری اور ساز و سامان کے ساتھ ایک لاکھ سے زیادہ سواروں کو لے کر ہندوستان روانہ ہُوا۔

ایک بار پھر ترائن کے مقام پر حرب و ضرب کا میدان گرم ہُوا۔ اس وقت پرتھوی راج کے ساتھ سارے شمالی ہندوستان کے راجپوت راجے اور ان کی بے شمار فوجیں تھیں اور وہ مارنے یا مر جانے کی قسمیں کھائے ہوئے تھے۔ لیکن غوری کی شاندار قیادت کام آئی۔ ایک تو اس نے مخالف فوج پر اس وقت حملہ کیا جب وہ ابھی تیار بلکہ حوائجِ ضروریہ سے فارغ نہ ہوئے تھے۔ دوسرے جب راجپوت اس ابتدائی سراسیمگی کے بعد میدان میں آگئے اور لڑائی شروع ہوئی تو سلطان کے حکم کے مطابق اس کی فوج پیچھے ہٹتی گئی۔ حتّٰے کہ رائے پتھورا کی فوج کو فتح کا یقین ہو گیا اور تعاقب کے جوش میں ان کی صفیں درہم برہم ہو گئیں۔ اس وقت مسلمانوں نے پلٹ کر پھر راجپوتوں پر حملہ کیا۔ ادھر کچھ تازہ دم فوج جو اب تک لڑائی سے علٰحدہ تھی میدانِ کارزار میں آئی

marfat.com

"محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

اور راجپوتوں پر اس زور کے حملے ہوئے کہ ان کے پاؤں اُکھڑ گئے اور میدان غوری کے ہاتھ رہا۔

اس فتح نے شمالی ہند کے دروازے مسلمانوں پر کھول دیے اور دہلی اور اجمیر کی حکومت سلطان محمد غوری کے ہاتھ آگئی۔ (شروع میں تو خراج گزاری کے عوض یہ ریاست برقرار رکھی گئی۔ لیکن جب ۱۱۹۳ء میں راجا نے انحراف کیا تو ریاست کا الحاق کر کے اسے مقبوضاتِ اسلامی میں شامل کر لیا گیا) ترائن کی لڑائی کے بعد سلطان غزنی واپس چلا گیا اور ہندوستان میں قطب الدین ایبک کو اپنا نائب مقرر کیا۔ جس نے فتوحات کا یہ سلسلہ جاری رکھا۔ اور مفتوحہ علاقے میں نظم و نسق قائم کیا۔ دو سال کے بعد سلطان پھر آیا اور قنوج کے طاقت ور راجا جے چند کو شکست دی۔ اس دوران میں قطب الدین ایبک نے گجرات، گوالیار، بیانہ اور بختیار خلجی نے بہار اور بنگالہ فتح کر کے اسلامی حکومت میں شامل کر دیے۔ ۱۲۰۶ء میں کھوکھروں[1] نے بغاوت کی اور سلطان نے

---

[1] یہ قوم بقول فرشتہ "دریائے نیلاب (سندھ) اور شوالک کی پہاڑیوں کے درمیان" رہتی تھی لیکن ان کی تاخت و تاراج کا دائرہ بڑا وسیع تھا۔ مسلمانوں سے انھیں خاص طور پر عداوت تھی جو مسلمان انھیں ملتا اسے طرح طرح کی تکالیف دے کر مار ڈالتے۔ بالخصوص ان مسلمانوں کو جو سلطان کی طرف سے پشاور اور اس کے گرد و نواح میں مامور تھے، وہ اتنا تنگ کرتے کہ وہ بفراغت پنجاب کی طرف آمد و رفت نہ کر سکتے تھے۔ کھوکھروں کا کوئی دین و مذہب نہ تھا۔ دختر کشی ان میں عام تھی۔ جب کسی کے گھر بیٹی پیدا ہوتی تو وہ اسے اپنے دروازے پر لا کر آواز دیتا کہ کوئی ہے جو اس دختر کو اپنی زوجیت میں قبول کرے۔ اگر کوئی شخص قبول کرتا تو اسے لڑکی دے دیتا۔ ورنہ اسے ہلاک کر دیتا۔ ایک عورت کے کئی کئی شوہر ہوتے تھے اور قاعدہ تھا کہ جو شوہر اس عورت کے پاس جاتا وہ دروازے پر اپنا نشان چھوڑ جاتا تاکہ دوسرے شوہر یہ نشان دیکھ کر پلٹ جائیں۔ یہ

(باقی اگلے صفحے پر)

marfat.com
"محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

خود ہندوستان آکر انھیں شکست فاش دی۔ یہ بغاوت فرو کر کے سلطان واپس جا رہا تھا کہ دریائے جہلم کے کنارے ایک اسمٰعیلی فدائی نے اسے شہید کر دیا۔

طبقاتِ ناصری کا مصنف اِس سانحہ پر لکھتا ہے:۔

"شہادتِ آں پادشاہ در تاریخ شش صد و دو بود۔ ہمدریں سال اوّل قیامت علامت ظاہر شد۔ و آں خروج چنگیز خاں مغل بود و خروجِ ترک پس معلوم شد کہ آں پادشاہ در دُنیا در بند محکم اسلام بود چوں او شہادت یافت در قیامت باز شد۔"

(بقیہ نوٹ صفحہ ۹۳) جماعت مسلمانوں کی عقوبت کو ثوابِ عظیم کا ذریعہ مانتی تھی لیکن سلطان محمدؒ غوری کے آخری ایام میں ایک مسلمان ان کے دستِ ظلم میں گرفتار ہوا اور اس نے اہلِ اسلام کے طور طریقے اِس طرح بیان کیے کہ اس قبیلے کے سردار کو پسند آئے اور اُس نے اس مسلمان سے پُوچھا کہ اگر میں سُلطان محمدؒ غوری کی خدمت میں حاضر ہو کر مسلمان ہو جاؤں تو وہ میرے ساتھ کیا سلوک کرے گا۔ اس مسلمان اسیر نے کہا کہ یقین ہے کہ وہ مراعاتِ شاہانہ روا رکھے گا اور اس کو ہستان کی حکومت تمھیں سونپ دے گا۔ چنانچہ اس اسیر نے ایک خط اس سردار کی خواہش کے ساتھ سلطان کی خدمت میں بھیجا۔ وہاں سے خلعتِ فاخرہ اور کمر بند مرصع اس رئیس کے لیے ارسال ہوئے۔ اس پر وہ سردار سلطان کی خدمت میں حاضر ہوا اور اطاعت اختیار کر کے اس کو ہستان کی حکومت کا فرمان حاصل کیا۔ خود بھی مسلمان ہوا اور دوسرے کھوکھروں کو بھی مسلمان کیا۔ لیکن جو لوگ دُور کے علاقوں میں رہتے تھے، اپنے پُرانے طریقوں پر قائم رہے۔ بلکہ غوری کے اور بھی جانی دشمن ہو گئے۔ (ملخص از فرشتہ جلد اوّل ص ۵۹ - ۶۰)

تاریخ الفی میں لکھا ہے کہ جب ۶۰۱ھ میں سلطان محمدؒ غوری کو خوارزم میں شکست ہوئی تو شمال مغربی ہندوستان میں مشہور ہو گیا کہ وہ لڑائی میں کام آیا ہے۔ چنانچہ کھوکھروں نے بغاوتیں شروع کیں اور ان کا راجا جو مسلمان ہو گیا تھا، پھر سے غیر مُسلم ہو گیا۔

کھوکھر اور گکھڑ جو بعض تاریخوں میں خلط ملط ہو گئے ہیں، دو مختلف قبیلے ہیں۔ اب کھوکھر زیادہ تر خوشاب کے علاقے میں پائے جاتے ہیں۔

marfat.com

"محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

سلطان محمدؒ غوری کی وفات سے اسلامی ہندوستان کو جو نقصان پہنچا وہ محتاجِ بیان نہیں۔ لیکن اس مُلک میں سلطان کا کام ایک حد تک مکمل ہو چکا تھا۔ جب سلطان شہید ہُوا اس وقت قریب قریب سارے شمالی ہندوستان پر اسلامی پرچم لہرا رہا تھا۔ اور قطب الدین ایبک۔ محمدؒ بن بختیار خلجی۔ التمش۔ ناصرالدین قباچہ اور دوسرے افسروں کا سلطان ایک ایسا منتخب گروہ چھوڑ گیا تھا جو اس کا کام جاری رکھ سکتے تھے۔

سلطان کے اولادِ نرینہ کوئی نہ تھی۔ فقط ایک لڑکی تھی۔ جب اس کے درباری اس بات پر تاسف اور سلطان سے ہمدردی کا اظہار کرتے تو وہ مُسکرا دیتا اور کہتا کہ میرے اتنے غلام ہیں جنھیں مَیں نے بیٹوں کی طرح پالا ہے اور جن کی تعلیم و تربیت پر مَیں نے بے حد محنت کی ہے۔ وہ سب فرزندوں کی طرح میرا نام روشن کریں گے!

خدائے تعالےٰ کی نظروں میں سلطان کی محنت اور دُور اندیشی مقبول ہوئی اور اس کے دلی منصوبے پُورے کرنے میں اس کے غلاموں نے وہ کارہائے نمایاں کیے جو بیٹوں سے بھی بن نہیں آتے۔ انھوں نے خاندانِ غلاماں کی بُنیاد ڈالی اور ہندوستان میں سلطان کا کام جاری رکھا۔

سلطان کی اور بہت سی خوبیوں کے علاوہ اس کے دو وصف خاص طور پر تعریف کے لائق ہیں۔ وہ ہندوستان میں اسلامی حکومت کا بانی تھا۔ لیکن اس کے باوجود یہاں کے باشندوں کے خلاف اس کے دل میں عناد۔ حقارت اور تعصب کا کوئی جذبہ نہ تھا۔ اس نے بہت سی لڑائیوں میں ہندو راجاؤں کے ساتھ مِل کر کام کیا۔

پنجاب کی اکثر لڑائیوں میں جموں و کشمیر کا ہندو راجا اس کے ساتھ تھا۔ ہندو تاریخ نگار لکھتے ہیں کہ ترائن کی دوسری لڑائی میں جب پرتھوی راج کو شکست فاش ہوئی تو قنوج کا طاقتور راجا جے چند سلطان محمد غوری کے پہلو بہ پہلو

marfat.com

"محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

صف آرا تھا۔ سلطان نے اپنی فتوحات کے بعد بھی یہاں کے ہندو خاندانوں سے دوستی اور مہر و مروت کا سلوک کیا۔ پرتھوی راج کو شکست دینے کے بعد سلطان نے اجمیر کی حکومت پرتھوی راج کے بیٹے کو سونپ دی۔ لیکن جب اس کے چچا نے جو ترائن کی شکست کے بعد الور کی پہاڑیوں میں جا چھپا تھا اجمیر پر حملہ کر کے اپنے بھتیجے کو نکال دیا تو سلطان کے نائب قطب الدین ایبک کو پھر سے اجمیر فتح کرنا پڑا اور اس وقت وہاں ایک مسلمان گورنر مقرر ہوا۔

ہندو تذکرہ نگاروں کا بیان ہے کہ ترائن کے معرکے میں جے چند جس کی پرتھوی راج سے عداوت تھی، مسلمانوں کا شریکِ کار تھا۔ لیکن یہی تذکرہ نگار لکھتے ہیں کہ اس کے چند سال بعد وہ قطب الدین ایبک کے خلاف حملہ کرنے والا تھا[1] کہ محمد غوری اور ایبک نے اس پر حملہ کر کے اسے شکست دی لیکن قنوج اس کے بعد بھی ایک مدت تک راجا جے چند کے خاندان کے پاس رہا۔ ڈاکٹر تارا چند اپنی "مختصر تاریخ اہلِ ہند" میں لکھتے ہیں:-

"اگرچہ قنوج کے راجا کو محمد غوری نے شکست دی لیکن جے چند کے وارث التتمش کے وقت تک اس شہر پر حکمران رہے وہ مسلمان شہریوں سے ایک طرح کا جزیہ لیتے تھے، جسے ترشکا ڈنڈ کہا جاتا تھا۔"

سلطان محمد غوری کی معتدل مزاجی اور محمد بن قاسم کی طرح ملکی رسوم و آئین کے پاس کی ایک دلچسپ یادگار اس کے بعض سکے ہیں۔ جن پر حروف اور عبارت ہندی زبان میں ہے اور جن میں سے بعض سکوں پر سلطان کے ساتھ پرتھوی راج کا نام درج ہے!

سلطان کی دوسری بڑی خوبی اس کی وفاداری تھی۔ ہندوستان میں اکثر فتوحات اُس زمانے میں ہوئیں جب افغانستان کے تخت پر اس کا بھائی سلطان

---

[1] ملاحظہ ہو طبقاتِ ناصری کے انگریزی ترجمہ پر میجر ریورٹی کا حاشیہ

marfat.com

"محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

غیاث الدین غوری متمکن تھا۔ اور محمدؒ غوری ایک طرح سے اس کا نائب اور سپہ سالار تھا۔ اگر خود مختاری کی ہوس اسے للچاتی یا ضد اور غصہ طبیعت پر غالب آجاتا تو محمدؒ غوری کے لیے اپنی بادشاہت کا علم بلند کرنا مشکل نہ تھا۔ (اور سلطان محمود غزنوی کے بیٹے اور بعد میں مغل شاہزادے بھائی بھائی ہونے کے باوجود جس طرح آپس میں لڑے ہیں اسے دیکھ کر کسی کو اس فعل پر حیرت نہ ہوتی!) لیکن محمدؒ غوری کا رویہ ایک وفادار جرنیل اور محبت بھرے بھائی کا رہا۔ اس نے ہمیشہ اپنے بڑے بھائی کے مرتبے کا خیال رکھا۔ تمام مہموں اور ملکی امور میں اس کی خواہش کی پیروی ہوتی۔ لڑائیوں میں جو مالِ غنیمت ہاتھ آتا، اس میں سب سے قیمتی تحفے (مثلاً فرمانروائے قنوج کے ہاتھی) سلطان غیاث الدین غوری کو نذر ہوتے۔ غیاث الدین ہندوستان کبھی نہیں آیا۔ لیکن اس کے بھائی نے اس ملک میں اس طرح اس کا بھرم رکھا ہوا تھا کہ قطب مینار پر سلاطینِ ہند و دہلی کی جو فہرست کندہ کی گئی۔ اس میں سب سے اوپر اسی کا نام ہے۔ اس کے علاوہ جب غیاث الدین کی وفات ہوئی اور سلطان محمدؒ غوری اس کا جانشین ہوا تو نئے بادشاہ نے اپنے بھائی کے لواحقین اور قبیلہ داروں کا پورا پورا خیال رکھا۔ سلطنت کے وسیع خطے انھیں نیابت اور حکمرانی کے لیے دیے اور ان کا وہی ادب و احترام قائم رکھا جو سلطان غیاث کی زندگی میں انھیں حاصل تھا۔

سلطان محمدؒ غوری کے اس وصفِ وفاداری اور اخلاقی شرافت کا نتیجہ تھا کہ اس کے امیر اور جرنیل بھی اس پر جان دیتے تھے اور جس طرح ایک سعادت مند بیٹا اپنے باپ سے اور ایک عقیدت مند مرید اپنے پیر سے ارادت و عقیدت رکھتا ہے۔ اسی محبت و عقیدت سے وہ اپنے بادشاہ کو دیکھتے۔ بلکہ اپنی کامیابیوں اور فتوحات کو سلطان کی کرامات سمجھتے اور اپنی شکست کو یمینِ سلطانی سے محروم ہو جانے کا نتیجہ۔ اس کی ایک دلچسپ مثال محمدؒ بن بختیار خلجی کے حالات میں نظر آتی ہے جو اپنے زمانے کا شاید سب سے من چلا جرنیل تھا۔ اس نے بہار اور بنگالہ

marfat.com

"محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

کے وسیع علاقے اسلامی حکومت میں شامل کیے۔ بنگالے کی راجدھانی اس نے فقط اٹھارہ سواروں کی مدد سے فتح کی۔ ایک دفعہ سلطان قطب الدین ایبک کے سامنے اس نے مست ہاتھی پر گرز کا ایک ایسا وار کیا کہ ہاتھی کو راہِ فرار اختیار کرنی پڑی۔ لیکن یہ دلیری بالآخر اُسے پُرخطر منزلوں میں لے گئی۔ بہار اور بنگالہ کی فتح کے بعد اس نے پہلے آسام میں کامروپ کا علاقہ فتح کیا[1] اور پھر اس راستے سے تبت پر چڑھائی کی۔ لیکن راہ کی دُشوار گزاری۔ پہاڑی قبیلوں کی مزاحمت اور ساتھیوں کی آرام طلبی کی وجہ سے یہ مہم بالکل ناکام رہی اور محمدؒ بن بختیار خلجی تھکا ماندا فقط چند ہمراہیوں کے ساتھ واپس لوٹا۔ شکست کے احساس اور مسلمان سپاہیوں کے اتلافِ جان کا خلجی سردار کو بڑا صدمہ ہُوا اور وہ بالآخر اسی غم میں گھُل گھُل کر (مشرقی بنگال میں مقام دیوکوٹ پر) وفات[2] پا گیا۔ لیکن تذکرہ نگار لکھتے ہیں کہ وہ

---

[1] عام کتب تواریخ میں محمدؒ بن بختیار خلجی کی فتح کامروپ کا ذکر نہیں ہوتا۔ لیکن جرنل آف رائل ایشیاٹک سوسائٹی بنگال میں آسام کے ایک انگریز افسر نے ۱۸۴۰ء میں ان مقامات کی توضیح کی تھی جہاں سے محمدؒ بن بختیار خلجی کا لشکر گزرا تھا اور ثابت کیا کہ یہ سب کچھ کامروپ کو زیر کرنے کے بعد ہی ہو سکتا تھا۔ اس کے بعد یہ افسر لکھتا ہے کہ اگر اس بات کا خیال کریں کہ اس زمانے میں ابھی گولہ بارود کی ایجاد نہ ہوئی تھی اور اسلحہ کے لحاظ سے حملہ آوروں کو مقامی باشندوں پر کوئی فوقیت حاصل نہ تھی۔ تو باوجودیکہ تبت کی مہم ناکام رہی۔ لیکن جس طریقے سے کامروپ کی پہاڑیوں اور دُشوار گزار راستوں سے خلجی اپنا لشکر لے کر گیا۔ اسے دیکھ کر ہندوستان کے ابتدائی مسلمان فاتحین کی خوش تدبیری، مُستعدی اور ہمت پر آفرین کہے بغیر نہیں رہا جا سکتا"۔ (جلد نہم شمارہ دوم)

[2] آج محمدؒ بن بختیار خلجی کا مزار تلاش کرنا ناممکن سا نظر آتا ہے۔ لیکن دیوکوٹ میں اس کے مرشد عطاء اللہ کا مزار برقرار ہے۔ اور وہاں ایک قدیمی مسجد پر ۱۲۹۳ء کا ایک کتبہ بھی موجود ہے۔ ملاحظہ ہو: [Studies in Indo Muslim History by Hodi wala P209]

marfat.com

"محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

ان سخت مایوسیوں کی گھڑی میں بھی کہا کرتا تھا کہ کیا ہُوا کہ مجھ پر بدقسمتی اِس طرح غالب آرہی ہے۔ کیا خدانخواستہ سلطان محمدؒ غوری کو کوئی کسی طرح کا حادثہ پیش آیا ہے؟

"دورانِ حادثہ بسیار بہ زبان اورفت کہ مگر سلطان غازی معزالدین والدنیا محمدؒ سام را حادثہ اُفتاد کہ بختِ ما برگشت"۔

اور امرِ واقعی بھی یہی تھا کہ سلطان محمدؒ غوریؒ نے اُسی زمانے میں شہادت پائی

خاندانِ غُلاماں

غوری کی وفات کے بعد اس کے ترک افسروں نے قطب الدین ایبک کو ہندوستان کا بادشاہ منتخب کیا۔ وہ محمدؒ غوری کا غلام تھا اور خاندانِ غلاماں کا بانی۔ یہ صحیح ہے کہ اس سے پہلے البتگین اور سبکتگین بھی غلام تھے، لیکن اُنھوں نے ہندوستان میں کبھی حکومت نہ کی۔ ہندوستان کا پہلا خود مختار بادشاہ قطب الدین ایبک تھا، جو ۱۲۰۶ء میں تخت نشین ہُوا۔ اس نے فقط چار سال حکومت کی اور ۱۲۱۰ء میں ایک حادثے سے وفات پاگیا۔ اس کا مزار لاہور میں انارکلی بازار کی پچھلی جانب "زندہ دلانِ لاہور" کی بے حسی کا شکار ہے[1]۔

اس وقت تک دہلی کی بادشاہت ابھی موروثی نہ ہوئی تھی بلکہ جس طرح رسُولِ اکرمؐ کی وفات کے بعد صحابہؓ نے خلفا انتخاب کیے۔ دہلی کے بھی پہلے بادشاہ اسی طرح منتخب ہُوا کرتے تھے۔

قطب الدین ایبک کی وفات پر اس کا لڑکا آرام شاہ تخت کا دعویدار ہُوا، لیکن اُمرا نے اس عہدے کے لیے التتمش کو چُنا اور ۱۲۱۰ء میں وہ

---

[1] سلطان محمود غزنوی کے مشہور غلام اور پنجاب کے "پہلے مسلمان گورنر ایاز کی (جو کشمیری النسل تھا) قبر لاہور کی کنک منڈی کے متصل اب تک موجود ہے"۔ آئینہ حقیقت نما (از مولینا اکبر شاہ خان نجیب آبادی) حصہ اوّل صر ۱۸۰

marfat.com

"محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

تخت نشین ہُوا۔ التتمش خُدا ترس، قابل اور بیدار مغز بادشاہ تھا۔ اس کے زمانے میں منگولوں نے ایران اور عراق میں تباہی مچانی شروع کی۔ التتمش نے ان کا مقابلہ کیا اور ہندوستان کو اس مصیبتِ عظمیٰ سے بچائے رکھا۔ اس نے سلطنت دہلی کی بُنیادیں مستحکم کیں۔ بغداد کے عباسی خلیفے سے ہندوستان کی بادشاہی کا خطاب حاصل کیا اور جب وہ ۱۲۳۶ء میں چل بسا تو قریباً سارا شمالی ہندوستان اس کے قبضے میں تھا۔ اس کی وفات کے بعد دس سال تک پھر مُلک میں بدانتظامی رہی اور یکے بعد دیگرے کئی بادشاہ ہوئے۔ ان میں سے ایک التتمش کی بیٹی رضیہ سُلطانہ تھی۔ اس کے عہدِ حکومت میں قرمطیوں نے دہلی پر یورش کی، لیکن کشت و خون کے بعد شاہی فوج اور مسلمانانِ دہلی نے انھیں مار بھگایا۔

سلطانہ رضیہ ہندوستان کی تنہا تاجدار خاتون تھی جو تختِ دہلی پر (نورجہاں کی طرح کسی سرپرست کے سہارے نہیں، بلکہ) خود مختارانہ تخت نشین ہوئی۔ اس مسئلے پر عوام الناس کی جو رائے تھی۔ وہ عصامی کی فتوح السلاطین میں دیکھیے اور اندازہ لگائیے کہ حقوقِ نسواں کے حامیوں کا ہی نہیں، بلکہ "نصفِ ملت" کے متعلق شریفانہ طرزِ خیال چاہنے والوں کا کام کس قدر مشکل ہے!

زناں جملہ دردامِ اہرمن اند — بہ خلوت ہمہ کارِ شیطاں کنند
نکردن تواں بر زناں اعتماد — نشاید بر آہرمنان اعتماد
نیاید وفا از زناں ہیچ گاہ — وفا مرد شُد ہم ز مرداں بخواہ
زناں در مُلا خوشتر از گلشن اند — ولے در خفا بدتر از گلخن اند
چو شوریدہ نفسِ زنِ پارسا — بہ خلوت دہد باسگے ہم رضا
بہ زن مرد اگر دستبندی کند — بر آں مرد زن ریشخندی کند
نشانِ خطر شد بہ ہر جا زن است — خصوص آنکہ ہم خیمۂ اہرمن است
نزیبد بہ زن تاج و تختِ شہاں — کہ شُد مملکت قسمِ کار آگہاں

marfat.com

"محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

جہاں داری از زن نیاید نکو ۔۔۔ کہ در اصل ناقص شدست عقلِ او
زن آں بہ کہ باچرخہ سازد مدام ۔۔۔ کہ مستش کند مسندِ احترام
حریمش سزد پنبہ، غم ساغرش ۔۔۔ خورش است غنّۂ دوکِ خنیاگرش
گلہ بر سر زن خرد زاں نکرد ۔۔۔ کہ شد وضعِ خاص از پئے فرقِ مرد
زنے کو طرب جوید و جاہ ہم ۔۔۔ زشہوت تواند بُد آزاد کم!
زن آں بہ کہ در پردہ باشد مدام ۔۔۔ بہ محنت کند خوئے ہر صبح و شام
ہر آں زن کہ در پردہ خندد بلند ۔۔۔ سرش زود بر خاک باید فگند

۱۲۴۶ء میں اُمرا نے ناصر الدین محمود کو تخت نشین کیا۔ وہ ایک درویش طبع بادشاہ تھا۔ سرکاری خزانے کو ہاتھ نہ لگاتا اور قرآن شریف لکھ کر روزی کماتا۔ سلطنت کا نظم و نسق اس نے اپنے قابل وزیر (اور خسر) غیاث الدین بلبن کو سونپ رکھا تھا۔ ناصر الدین محمود کے حالات پڑھنے سے خیال ہوتا ہے کہ اس کی زندگی اولیا و صلحا کے نمونے پر تھی۔ انتظامِ سلطنت بلبن کے سپرد کر کے اسے کہہ رکھا تھا کہ میں نے تمھیں تمام اختیار دے دیے ہیں تم ہرگز کوئی ایسا کام نہ کرنا جس سے کل کو حضرتِ بے نیاز کے حضور میں تمھیں اور مجھے شرمندگی اٹھانی پڑے۔ وہ خود اپنا اکثر وقت حجرے کے اندر عبادت اور تلاوتِ کلام مجید میں صرف کرتا اور مشہور ہے کہ دربارِ عام کے وقت وہ شاہی لباس زیبِ تن کر لیتا تھا۔ اور اس کے بعد خلوت میں جا کر پھٹے پُرانے کپڑے پہنے رہتا اپنا گزارہ وہ کلام مجید نقل کر کے کرتا تھا۔ اور اس امر کی بھی بڑی احتیاط کرتا کہ اس کے لکھے ہوئے نسخے معمولی نرخ پر فروخت ہوں اور کسی کو یہ پتا نہ چلے کہ وہ بادشاہ کے لکھے ہوئے ہیں۔ بدایونی کہتا ہے:-

"وحکایاتِ دیگر غریب کہ مشابہ احوالِ خلفاے راشد باشد ازو نقل می کنند"

سلطان ناصر الدین کی زندگی میں ہی امورِ سلطنت کی باگ ڈور اس کے باہمت وزیر بلبن کے ہاتھ میں تھی اور جب اس نے ۱۲۶۶ء میں وفات پائی تو

marfat.com

"محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

بلبن بغیر کسی مزاحمت کے بادشاہ ہوگیا۔

سُلطان غیاث الدین بلبن

اسلامی ہندوستان کے بادشاہوں میں بلبن ایک خاص رنگ اور شان کا بادشاہ ہُوا ہے۔ بلبن اصل میں ایک تُرک امیرزادہ تھا۔ چنگیز خانی حملے میں گرفتار ہُوا اور بغداد میں بطور ایک غلام کے بِکا۔ وہاں ایک بزرگ جمال الدین بصری نے اسے خریدا اور تربیت کی۔ پھر وہ دہلی میں آیا۔ شروع میں ایک معمُولی سپاہی بلکہ بہشتی اور فراش کا کام کیا۔ رفتہ رفتہ میر شکار اور امرائے چہل گانی کے زُمرے میں داخل ہُوا اور پھر تو نائب الممالک بن کر پُوری سلطنت پر حاوی ہوگیا۔ اس کے عہدِ حکومت تک بادشاہ فقط امرا کا سرگروہ ہوتا تھا۔ لیکن بلبن کا بادشاہت اور ملوکیت کی نسبت ایک خاص نقطۂ نظر تھا جو اس کے پیشروؤں بالخصوص درویش مزاج اور سادہ طبع ناصر الدین محمود (بلکہ صُوفی منش التتمش[1]) کے طریقِ کار سے بالکل مختلف تھا اور اس نے بادشاہ کو اس کے امرا سے بہت بالا و برتر ایک جُداگانہ ہستی بنا دیا۔

بلبن کا قول تھا کہ نبوت کے بعد خلقِ خدا کی خدمت کا سب سے عُمدہ ذریعہ بادشاہت ہے۔ اس کے حقوق کا پاس ضروری ہے اور جو بادشاہ اپنا جاہ و حشم، رُعب و دبدبہ قائم نہیں رکھتا وہ اپنے فرائض پوری طرح بجا نہیں لا سکتا۔ اور اس کی رعایا بغاوت اور دُوسری خرابیوں میں مُبتلا ہو جاتی ہے۔

"رعایا در عصرِ بادشاہ بے حرمت و حشمت و ہول و ہیبت زند قہ بار آورد و تمرد

---

[1] سلطان شمس الدین (التتمش) بارہا بر سر جمع بگفتے کہ من چگونہ توانم خدائے تعالیٰ را شکر گویم کہ مرا یاعوان و انصار بزرگ گردانید کہ ایشاں ہزار بار بہ از من اند و ہر بار کہ ایشاں .... در دربار پیشِ من ایستادہ مے شوند من از بُزرگی و سروری ایشاں شرمندہ میشوم و میخواہم از تخت فرود آیم و دست و پائے ایشاں بہ بوسم (برنی)

marfat.com

"محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

و طغیان رو نماید۔ ہندوان سرتابی ہا کنند و مسلمانان از کثرتِ فسق و فجور و بسیاری زنا و لواطت و شراب خوردن و ناکردنی ہائے دیگر بدبخت شوند

(تاریخ فیروز شاہی ص ۴۵)

بعض پرانے امیروں کا قول بار بار نقل کیا کرتا تھا:۔

"ہر بادشاہے کہ حرمت و حشمتِ خود در ترتیب بار و کوکبہ و سواری و نشستن و برخاستن بآداب و رسوم اکاسرہ محافظت نہ نماید و در جمیع احوال و اقوال و افعال و حرکات و سکنات او حشم پادشاہی مشاہدہ نشود رعب او در دلِ رعایا ممالک او منتقش نشود۔۔۔ و آنچہ بادشاہان را از محافظت حرمت و حشمت بادشاہی و ہول و ہیبت بار و سواری، ایتمار رعایا و انقیاد متمردان دست تہد از مہر و سیاست دست نہ دہد۔ تا رعب و حشمت و ہول و ہیبت بادشاہ در دلِ عوام و خواص و دور و نزدیک بلاد ممالک او منتقش نہ شود حق رموزِ جہاں بانی و مصالح جہاں داری۔ چنانچہ باید و شاید گزاردہ نشود"

(تاریخ فیروز شاہی از برنی ص ۳۰-۳۱)

وہ خود اپنی سواری و دربار اور جشن و جلوس میں بڑا اہتمام کرتا اور مورخین لکھتے ہیں کہ عہدِ بلبن میں جب کوکبہ شاہی نکلتا تو سو سو دو دو سو میل سے لوگ اسے دیکھنے کے لیے آتے۔ سواری چلتی تو صدہا نقیب و چاؤش، سوار اور پیادے، ملوک اور امرا ساتھ چلتے۔ زابل و سیستان کے دیو پیکر نوجوان ننگی تلواریں لے کر بادشاہ کے گرد و پیش ہوتے۔ قدم قدم پر صدائے بسم اللہ اس زور سے بلند ہوتی کہ بازار اور جنگل گونج اٹھتے بلکہ برنی کا بیان ہے کہ دربارِ شاہی میں وہ رعب و اہتمام ہوتا کہ باریاب ہونے والے سفیر اور ہندوستان کے رئیس و راجا بسا اوقات خوف سے گر پڑتے اور بے ہوش ہو جاتے!

بلبن اپنی خانگی زندگی میں بھی رعب و وقار کا بڑا خیال رکھتا۔ ضیاء الدین برنی لکھتا ہے کہ بلبن اپنی تمام مدتِ بادشاہی میں کسی مجلس میں قہقہہ مار کے

marfat.com

"محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

نہیں ہنسا۔ اور نہ کسی کو جرأت ہوئی کہ اس کے سامنے قہقہہ مار کے ہنسے بلکہ وہ اپنے نج کے نوکروں اور خواجہ سراؤں سے بھی پورا تکلف اور اہتمام برتتا اور اس کے کسی خانگی نوکر نے بھی اسے کسی وقت کلاہ یا موزہ یا جوتے کے بغیر نہیں دیکھا!

جب بلبن تخت نشین ہوا تو شمس الدین التمش کے چالیس غلام تھے۔ جو سلطنت کے سیاہ و سفید پر حاوی تھے۔ وہ چہل گان یا خواجہ تاش کہلاتے تھے اور بادشاہ کے انتخاب و تعین میں ان کا ہاتھ ہوتا۔ خود بلبن ان میں سے ایک تھا۔ لیکن اس کا بادشاہت کی نسبت جو نظریہ تھا اس کا تقاضا تھا کہ بادشاہ امرا میں سے نہ گنا جائے بلکہ ان سے بہت بلندی پر ہو۔ چنانچہ بلبن نے ان کے اقتدار کو توڑ دیا اور جو امیر بادشاہ کے لیے کسی خطرے کا باعث تھا، اسے جاہ و منصب سے محروم کر دیا۔

اس جمہوری دور میں بلبن کے نظریہ بادشاہت سے اختلاف کرنے والے کئی ہوں گے (اور صحیح یہ ہے کہ بعض باتوں میں اس نے انتہا پسندانہ روش اختیار کی) لیکن اس وقت ہندوستان کی اسلامی حکومت جن دو بڑے خطرات سے دوچار تھی ان کے مقابلے کے لیے ایک جری اور پُرہیبت بادشاہ اور ایک مضبوط، دلیرانہ پالیسی کی ضرورت تھی۔ اس کے علاوہ بلبن کو بادشاہ کے فرائض کا بھی اسی طرح احساس تھا، جس طرح اس کے حقوق کا۔

بلبن کا پہلا بڑا کام ملک کا اندرونی نظم و نسق اور سلطنت کا باطنی استحکام تھا۔ یوں تو اس کے نام کی اتنی ہیبت تھی کہ سوائے بنگالہ کی بغاوت کے (جو شروع سے بغاوتوں کی کثرت سے بلغاکپور کہلاتا تھا!) اسے کسی اندرونی مزاحمت سے سابقہ نہ پڑا۔ لیکن ملک کے عام انتظام میں بڑی اصلاح کی ضرورت تھی۔ ابتدائی اسلامی حکومت میں نئے حکمرانوں کو بڑی مشکلات کا سامنا تھا۔ کھلے میدان میں تو ان کے سامنے کوئی نہ ٹھہرتا۔ لیکن راجپوت، جاٹ، میواتی، کھوکھر

marfat.com

"محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

جب ذرا بھی موقع پاتے لُوٹ مار سے دریغ نہ کرتے۔ طبقاتِ ناصری کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ناصر الدین محمود کے عہدِ حکومت میں ہر سال کوئی نہ کوئی اس طرح کا معرکہ ہوتا اور شہر دہلی کے گرد و نواح میں میواتیوں نے اس طرح بدامنی مچا رکھی تھی کہ ان کے ڈر سے شہر کے دروازے شام کو بند کر دیے جاتے اور کسی کو ہمت نہ پڑتی کہ شام کے بعد کسی بزرگ کی زیارت کے لیے ہی شہر سے باہر جا سکے بلکہ بعض اوقات تو میواتی شہر میں گھس کر وہاں بھی لُوٹ کھسوٹ کا بازار گرم کرتے۔

بلبن نے سب سے پہلے اس طرف توجہ کی۔ تخت نشین ہونے کے بعد اس نے پہلا پورا سال میواتیوں کے قلع قمع پر صرف کیا۔ جو ڈاکو ہاتھ آئے، انھیں عبرت ناک سزائیں دیں۔ شہر کے گرد جن جنگلوں میں وہ چھپ جاتے تھے، ان کا صفایا کیا۔ سڑکیں بنوائیں۔ گوپال گڑھ میں ایک قلعہ تعمیر کرایا۔ شہر کے گرد جا بجا تھانے قائم کیے۔ جن میں افغان تھانیدار علاقے کا انتظام کرتے۔

اِس فتنے کے انسداد کے بعد بادشاہ نے ملک کے دوسرے حصّوں کی طرف توجہ کی۔ اور دوآبہ کے علاقے پٹیالی، میرٹھ اور دوسری جگہوں میں وہی عمل دُہرایا جو دہلی کے گرد و نواح میں کامیاب رہا تھا۔

بلبن کا دوسرا بڑا کام منگولوں کا سدِ باب تھا۔ اس کے پیشرو ناصر الدین محمود کے زمانے میں منگول کئی بار ہندوستان آئے تھے۔ لاہور کو اُنھوں نے کئی بار لُوٹا اور وہاں کے قلعہ کو تباہ و برباد کر دیا۔ اس زمانے کا سب سے اہم مسئلہ یہی تھا۔ کیونکہ اب خطرہ فقط منگولوں کے منتشر دستوں اور ان کے منچلے سرداروں سے نہ تھا بلکہ ہلاکو خاں کی آنکھیں بھی ہندوستان کی طرف اُٹھتی تھیں، لیکن بلبن کے سلیقۂ جہانگیری کے سامنے اس کی ہمت نہ پڑی کہ ادھر قدم بڑھائے۔

بلبن نے فوج کی باقاعدہ تنظیم کی۔ عہدہ داروں اور امیروں کو مجبور کیا کہ وہ سپاہی اور سوار اور ان کا ساز و سامان باقاعدہ رکھیں سلطنت کی شمال مغربی

marfat.com

"محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

سرحد پر جابجا قلعے تعمیر کرائے۔ لاہور کے قلعہ کو دوبارہ پختہ کیا اور مغربی پنجاب میں اپنے سب سے قابل اور معتمد جرنیل معین کیے تاکہ وہ سرحد کی حفاظت کریں۔

بلبن نے اپنی حکومت کی توسیع کی کوشش نہ کی۔ کیونکہ وہ جانتا تھا کہ اب اصل کام حکومت کی بنیادیں مستحکم کرنا ہے۔ اسے گجرات اور مالوے پر لشکر کشی کا مشورہ دیا گیا۔ لیکن اس کا جواب تھا کہ میں نہیں چاہتا کہ میں یہاں سے جاؤں اور دہلی کا وہی حال ہو جو مغلوں کے ہاتھوں بغداد کا ہوا تھا!

بلبن نے توسیع حکومت کی کوئی کوشش نہیں کی، لیکن اسے شکار کا بڑا شوق تھا اور اس میں وہ بڑا اہتمام کرتا۔ سردی کے موسم میں وہ ہر روز ہزار سواروں کے ساتھ شکار کو جاتا اور دہلی سے ریواڑی تک بلکہ اس سے پرے گھوڑ دوڑ اور شکار کے بعد واپس آتا۔ کسی نے ہلاکو خاں سے بغداد میں بلبن کے شکار کا ذکر کیا تو ہلاکو خاں نے کہا کہ بلبن ایک پختہ کار بادشاہ ہے۔ بظاہر تو وہ شکار کے لیے جاتا ہے، لیکن اس کا اصل مقصد سواری، نشانہ بازی اور سخت محنت کی مشق جاری رکھنا ہے تاکہ جب لڑائی کا موقع آئے تو وہ اور اس کے سوار اور ان کے گھوڑے تیار بر تیار ہوں۔

اندرونی امن و امان اور خارجی حملہ آوروں سے ملک کے بچاؤ کے علاوہ بلبن کے نزدیک بادشاہ کا بڑا فرض عدل و انصاف کی ترویج تھا۔ اور اس کا وہ سختی سے اہتمام کرتا۔ اس کے زمانے میں جن اُمرا نے غریبوں پر ظلم کیے، بلبن نے انھیں سخت سزائیں دیں۔ بدایوں کے ایک جاگیردار نے ایک نوکر کو اتنا پٹوایا کہ وہ مر گیا۔ جب بلبن بدایوں گیا اور مقتول کی بیوہ نے فریاد کی تو بلبن نے جاگیردار کے ساتھ بالکل وہی سلوک کیا جو اس نے اپنے نوکر کے ساتھ کیا تھا۔ اور جس سرکاری خبر رساں نے اس واقعہ کی خبر بادشاہ کو نہ دی تھی،

---

[1] کیمبرج ہسٹری ص۷۵،

marfat.com

"محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

اسے بھی عبرت ناک سزا دی۔ اس کے زمانے میں اس طرح کے کئی واقعات ہوئے۔ وہ کہا کرتا تھا کہ اگر میرے بیٹے ایسا کریں گے تو میں ان کے ساتھ بھی یہی سلوک کروں گا۔

مذہب کی نسبت بھی بلبن کا ایک خاص نقطۂ نظر تھا وہ باقاعدہ نماز پڑھتا۔ روزے رکھتا۔ رات کو اُٹھ کر تہجد پڑھتا۔ سفر و حضر کی حالت میں اپنے درود و وظیفے جاری رکھتا۔ ہمیشہ باوضو رہتا۔ اس کے کھانے پر علما و مشائخ مدعو ہوتے اور طعام کے وقت مسائل دینی پر بحث ہوتی۔ نماز جمعہ کے بعد وہ سارے کوکبۂ شاہی کے ساتھ مولٰنا برہان الدین بلخی اور دوسرے علما کے مکان[۱] پر جاتا۔ زیارتیں کرتا۔ جب کوئی عالم یا شیخ وفات پاتا تو اس کی نماز جنازہ پہ حاضر ہوتا اور اس کے ورثا کو کپڑے اور تحفے دیتا۔

بلبن ایک متدین اور منصف مزاج بادشاہ تھا۔ لیکن امورِ ملکی میں وہ علما کے مشورے اور شرع کے فیصلے پر نہ چلتا بلکہ اپنی رائے اور ملکی مصلحتوں کو سب سے زیادہ اہمیت دیتا۔ برنی لکھتا ہے:۔

> "سلطان بلبن باآں چندیں شفقت و مہربانی و دلودہی و انصاف ستانی و روزہ و نماز بسیار کہ ذکرِ آں کردہ شد در سیاست بغی و طغیان ملکی قہارے و جبارے بودہ است و در بابِ طغات اصلا محابا نہ کردے و از جرمِ بغی لشکرے و شہرے برانداختے و در قسمِ سیاستِ ملکی سر سوزنے از رسوم جابرہ فرو نگزاشتے و در حالتِ قہرِ سطوت بادشاہی خدا ناترسی را کار فرمودے و در کشتن و بستن بلغاکیان و سرتابان صلاحیت و دین داری را پشت دادے[۲]۔

وہ علانیہ کہتا تھا کہ امورِ ملکی سیاسی مصلحتوں کے پابند ہیں نہ کہ شرع فقہا کے۔ برنی لکھتا ہے:۔

---

[۱] ملاحظہ ہو فوائد الفواد صفحہ ۲۳۱ پر بلبن کی نسبت حضرت سلطان المشائخ کا ارشاد۔
[۲] تاریخ فیروز شاہی (برنی) صفحہ ۴۷

marfat.com

"محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

"و آنچہ صلاح ملک چندگاہ خود دانستے خواہ مشروع خواہ نامشروع آں را درکار آوردے[1]"

اس کے علاوہ اگرچہ وہ علما و فضلا کا قدردان تھا لیکن وہ ان کے عام طریقۂ تعلیم کو شاہزادوں اور امیرزادوں کے لیے موزوں نہ سمجھتا۔ جب اس کے بیٹے خانِ شہید اور بغرا خان ابتدائی تعلیم سے فارغ ہو گئے اور اتابکوں نے آن کر پوچھا کہ شاہزادوں کو اب "نحو و صرف و فقہ" میں کن باتوں کی تعلیم دی جائے اور کونسے اُستاد ان کے لیے متعین ہوں تو بلبن نے جواب دیا کہ اب تم ان کے پہلے اُستادوں کو جامہ و انعام دے کر رخصت کرو۔ میرے بیٹوں کو آداب السلاطین اور مآثر السلاطین جیسی کتابیں پڑھواؤ اور ان کی تعلیم و تربیت ان تجربہ کار بوڑھوں کے سپرد کرو جو تاریخ اور احوالِ بزرگان میں مہارتِ تامہ رکھتے ہیں اور امورِ ملکی میں شاہزادوں کی مناسب تربیت کر سکتے ہیں۔

بلبن ایک معاملہ فہم، باتدبیر اور قابل بادشاہ تھا۔ بلکہ اگر ہم سے پوچھا جائے کہ اسلامی ہندوستان کے سب سے اہم چار بادشاہ کون سے گزرے ہیں اور اگر سلطان محمد غوری قدس سرہ کو یہ سمجھ کر چھوڑ دیا جائے کہ ع

شمار دانۂ تسبیح میں امام نہیں

تو علاء الدین خلجی، جلال الدین اکبر اور اورنگ زیب عالمگیر کے ساتھ ساتھ ہمارے ذہن میں چوتھا نام بلبن کا آتا ہے۔ جس نے اپنے چالیس سالہ زمانِ اقتدار میں (پہلے ناصر الدین محمود کے وزیر خود مختار کی حیثیت سے اور پھر تختِ شاہی پر بیٹھ کر) ہندوستان میں اسلامی حکومت کی بنیادیں مستحکم کیں۔ اس کا ہماری تاریخ میں ایک خاص مرتبہ ہے، لیکن اتنا ضرور ماننا پڑتا ہے کہ وہ سخت گیر تھا۔ اور "زمانہ سخت گیراں را سخت گیرد"۔ اس کا انجام بڑا حسرت ناک ہوا۔

---

[1] تاریخ فیروز شاہی (برنی) ص ۴۷

marfat.com

"محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

بلبن کے دو بیٹے تھے۔ خانِ شہید اور بغرا خان۔ تمام مورخ متفق ہیں کہ خانِ شہید نہایت قابل اور ہونہار لڑکا تھا۔ باپ کی ساری امیدیں اس سے وابستہ تھیں۔ اسے سلطنت کی اہم ترین مہم یعنی منگولوں کی روک تھام سونپی گئی تھی۔ اور انھی فرائض کی بجاآوری میں شہزادہ شہید ہُوا۔

خانِ شہید کی وفات نے بلبن کی کمر توڑ دی۔ وہ تن برضائے قضا دے کر امورِ سلطنت میں مشغول رہتا اور اپنا دردِ نہانی لوگوں پر ظاہر نہ کرتا۔ لیکن راتوں کو اُٹھ اُٹھ کر بے اختیار روتا اور کہتا ؎

زگلبن ریختہ گلبرگِ خنداں — چرا برمن نہ گردد باغ زنداں
پریدہ از چمن کبکِ بہاری — چرا چوں ابر نخروشم بزاری
فرو مُردہ چراغ عالم افروز — چرا روزم نگردد شب بدیں روز

چند دنوں کے بعد بادشاہ نے اپنے دوسرے بیٹے بغرا خاں کو بنگالے سے بُلا بھیجا کہ اب تخت کا وارث تیرے سوا کوئی نہیں۔ تیرا بیٹا کیقباد اور خانِ شہید کا بیٹا کیخسرو کم سن ہیں اور امورِ ملکی سنبھالنے کے ناقابل۔ تم ہی آکر امورِ سلطنت میں میرا ہاتھ بٹاؤ۔ چنانچہ بغرا خاں بنگالے سے دہلی آیا' لیکن جب اس نے یہاں آکر دیکھا کہ بلبن ابھی چند روز اور جئے گا تو شکار کے بہانے لکھنوتی واپس چلا گیا۔ بیٹے کی اس بے رُخی نے بلبن کی صحت کو اور بھی تباہ و برباد کیا اور وہ بالکل نحیف و بے جان

۱؎ بلبن کو ملکی مصلحتوں کی جزئیات کا اتنا خیال رہتا تھا کہ اس نے خود ان کی بنا پر اپنی اولاد کی تعداد بڑھنے نہ دی۔ برنی کی کتاب میں اس کا بیان نقل ہُوا ہے :۔

من میتوانم از زنان و کنیزگان پسران و دختران بسیار بزایم ولیکن از بزرگانِ دین و دولت شنیدہ ام کہ بادشاہ را پسران و دختران بسیار نشاید چہ اگر . . . .

اس کے بعد وہ مصلحتیں دی جن سے تاریخ مغلیہ کے جاننے والے بخوبی واقف ہیں لیکن مقامِ عبرت ہے کہ بلبن نے سوچا کیا تھا اور ہُوا کیا!

marfat.com

"محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

ہوگیا۔ مرنے سے پہلے اس نے وصیت کی کہ چونکہ بغراخاں بلادِ مشرقی کو چھوڑنا نہیں چاہتا' میرے بعد خانِ شہید کا بیٹا کیخسرو تخت نشین ہو' لیکن اس کی وفات[1] کے بعد وزیرِ سلطنت نے اس وصیت پر عمل نہ کیا اور کیخسرو کی بجائے بغراخان کے بیٹے کیقباد کے سر پر تاجِ شاہی رکھا گیا۔

کیقباد تخت نشینی کے وقت اٹھارہ سال کا نوجوان تھا۔ اب تک اس کی تربیت بلبن کے زیرِ اثر بڑے ضابطے اور پابندیوں کے ساتھ ہوئی تھی تخت نشین ہونے کی بھی اسے کوئی امید نہ تھی۔ اب جو یکبارگی اس پر سے یہ پابندیاں ہٹیں' اور عیش و آزادی کے سارے سامان میسر آئے تو اس نے دل کھول کر دادِ عیش دینی شروع کی۔ اور عیش و عشرت میں وہ دسترس بہم پہنچائی کہ محمد شاہ "رنگیلا" بھی اس کے سامنے طفلِ مکتب نظر آتا ہے۔ طبقاتِ اکبری میں لکھا ہے "واز خبرِ غلبۂ عیش و عشرت سلطان معز الدین لولی و مسخرہ و مطرب و مطربہ از اطراف و جوانب عالم رُو بدرگاہِ او آوردند۔ وچوں ایں طائف را در ہند اقسام بسیار است' کارِ لہو و لعب رواجِ عظیم پیدا کرد و ابوابِ فسق و فجور مفتوح و نامِ غم و اندیشہ از دلِ خلق محو و منسی گشت و دائم مجلس سلطان از خوبرویان و خوش آوازان و مردم ظریف و ندمائے شیریں کلام مملو و معمور بود۔ و یک ساعت بے عیش و کامرانی نگزرانیدے"۔

کیقباد کی عیاشیوں سے ایک دو سال ہی کے اندر نظامِ سلطنت میں خلل آنے لگا۔ اس پر اس کے باپ بغراخاں نے اسے نصیحت آمیز خط لکھے لیکن جب وہ بے اثر ثابت ہوئے تو خود فوج لے کر دہلی کی طرف روانہ ہُوا تاکہ بیٹے کو سمجھائے۔ کیقباد بھی فوج لے کر مقابلے کو تیار ہُوا۔ لیکن خوش قسمتی سے جنگ کی

---

[1] بلبن کا جو دبدبہ اور احترام تھا' اس کا کچھ اندازہ اس امر سے ہو سکتا ہے کہ (بقول برنی) اس کی وفات کے چالیس روز بعد تک اس کے امرا اس کے مزار کے پاس فرشِ زمین پر سوتے رہے اور کوتوالِ دہلی فخر الملک نے تو یہ عمل چھ مہینے تک جاری رکھا۔

marfat.com

"محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

نوبت نہ آئی اور سمجھ دار اور فرض شناس اُمرا (مثلاً شمس الدین دبیر) نے باپ اور بیٹے کی مُلاقات کا انتظام کیا۔ جس کے دوران میں بغرا خاں نے بیٹے کو سمجھایا کہ اپنے طور طریقے بدل دے ؎

نشاید بادشاہ را مست بُودن — نہ در عشق و ہوس پیوست بُودن
بود شہ پاسبانِ خلق پیوست — خطا باشد کہ باشد پاسباں مست
شباں چُوں شد خراب از بادۂ ناب — رمہ در معدۂ گرگاں کند خواب
در آئینے کہ رسمِ مُلک داری ست — ثباتِ کار ہا در ہوشیاری ست

اسی پند و نصیحت کے دوران میں بغرا خان نے کیقباد کو مذہبی اُمور کے متعلق بھی مشورے دیے۔ اور چونکہ ان سے اس زمانے کی مذہبی حالت، علما کی روش اور ملبن کی مذہبی باقاعدگی پر روشنی پڑتی ہے۔ ہم برنی کے متعلقہ اقتباس کا ترجمہ درج ذیل کرتے ہیں۔

بغرا خاں نے بیٹے سے کہا: "مَیں نے سُنا ہے کہ تم نماز نہیں پڑھتے اور ماہ رمضان میں روزے نہیں رکھتے اور ایک حیلہ گر عالم (حیلہ گرے از دانشمندانِ بے دیانت نامسلمان) نے درہم و دینار کے طمع میں تم کو روزے ناغہ کرنے کی اجازت دے دی ہے اور تم سے کہہ رکھا ہے کہ اگر تم ایک روزے کے بدلے ایک غلام آزاد کر دو یا ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلا دو تو تم کو روزے کا ثواب پہنچ جائے گا۔ تم نے یہ بات مان لی ہے، لیکن ایمان داروں کی یہ بات نہیں سُنی کہ جو شخص ماہ رمضان کے روزے نہیں رکھتا وہ جوانی میں ہی چل بستا ہے۔

میرے بیٹے! تمھارا دادا (سلطان غیاث الدین بلبن) اکثر کہا کرتا تھا کہ بادشاہوں بلکہ تمام مسلمانوں کو علماے آخرت پر اپنا اعتقاد و عمل رکھنا چاہیے اور حیلہ گر تاویلیوں کو اپنے سامنے ہی نہیں آنے دینا چاہیے اور نہ ہی ان کے حیلہ و تاویل کو اپنا اساسِ کار بنانا چاہیے۔

"مَیں نے اپنے والد سے بارہا سُنا ہے کہ علما کے دو طبقے ہیں ایک تو علماے آخرت،

marfat.com

"محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

جنھیں خدا تعالےٰ دُنیا اور اس کی محبت اور حرص و لالچ سے بچائے رکھتا ہے اور دوسرے علماے دُنیا، جو دُنیا کی محبت اور طمع و لالچ میں کُتوں کی طرح بھاگتے ہیں۔ یہ لوگ امرا کے مکانوں پر جاتے ہیں اور ان کا کام حیلہ و تاویل اور قضا و بلا بن جاتا ہے۔ سمجھ دار اور دیندار بادشاہ وہ ہوگا جو علماے دنیا کے کہنے پر عمل نہ کرے۔ اور ان علما کے ہاتھ میں جنھیں دُنیا جان سے بھی زیادہ عزیز ہے۔ اوامر و احکام شرعی نہ دیدے۔ دینی مسئلے بھی ان حریصوں اور لالچیوں سے جو فی الحقیقت دُنیا کی پرستش کرتے ہیں، نہیں پُوچھنے چاہئیں۔ اور اگر دینی اور دنیوی فلاح کی خواہش ہے تو احکامِ شرعی کی تعمیل ان علما کے حوالے کرنی چاہیے جنھوں نے دُنیا کی طرف اپنی پُشت کر دی ہے۔ اور درہم و دینار کو سانپ بچھو کی طرح سمجھتے ہیں۔ مذہبی مسائل بھی انھیں علما سے پُوچھنے چاہئیں۔

میرے بیٹے! تم اپنے دادا، بلبن کی خدمت میں رہے ہو اور دیکھا ہے کہ وہ روزہ و نماز، فرائض و نوافل میں کس قدر مشغول رہتا تھا۔ کسی عالم اور کسی شیخ کو اس طرح نماز و روزہ کی طاقت نہ ہوئی ہوگی۔ اگر سلطان بلبن کو پتا چلتا کہ ہم دو بھائیوں (یعنی خان شہید اور بغرا خاں) سے ایک نماز فوت ہوگئی ہے یا ہم سوئے رہے ہیں اور فجر کی نماز باجماعت نہیں پڑھی تو وہ مہینا بھر ہم سے بات نہ کرتا۔ اور اگر دوسرے کسی سے بھی ایک نماز فوت ہو جاتی اور وہ بادشاہ کی خدمت میں جاتا تو وہ مُنہ پھیر لیتا۔

"اور مَیں نے بہت سے بوڑھوں سے سُنا ہے کہ جو کوئی رمضان میں روزے نہیں رکھتا وہ جوانی میں مر جاتا ہے۔ اور جو نماز نہیں پڑھتا وہ مسلمان نہیں رہتا بلکہ (اس ارتداد پر) اس کا خون مُباح ہو جاتا ہے۔

میرے بیٹے! موت کا وقت سخت ہوتا ہے۔ بالخصوص بادشاہوں کا جنھوں نے اِتنی نعمتوں سے حظ اُٹھایا ہوتا ہے۔ اور ان میں جوان بادشاہ کی موت اور بھی عذاب ناک ہوتی ہے جو تمام دُنیا کی حسرتیں اپنے ساتھ لے جاتا ہے۔

marfat.com

"محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

"میری آخری نصیحت یہ ہے کہ رمضان میں روزے رکھو اور جس طرح بھی ہو سکے نماز پڑھو اور ایک خدا طلب عالم کو اپنے پاس سے دُور نہ کرو۔ کیوں کہ اتنے ہزار لوگ غمِ دُنیا میں ہلاک ہوتے ہیں۔ اور وہ تمھارے دین کا فکر کرتا ہے۔"

(ص ۱۵۲۔ ص ۱۵۶)

اِس نصیحت و تلقین کے بعد بغرا خان نے بڑی محبت سے بیٹے کو الوداع کہا اور خود بلادِ شرقی کا رُخ کیا۔ کیقباد بھی چند روز تک باپ کی نصیحت پر عامل رہا اور شراب نوشی اور عیش کوشی سے اجتناب رکھا۔ جو اربابِ نشاط اس کے دربار سے وابستہ تھیں وہ روز بن سنور کر اور زیب و زیور سے آراستہ ہو کر اس کے سامنے آتیں کہ شاید متاعِ حُسن دیکھ کر اس کی رال ٹپکے لیکن چند دن بادشاہ نے اپنے آپ کو سنبھالے رکھا اور توبہ کا قصر برقرار رہا۔ اتنے میں ایک دن ایک منجیچہ جو دوسروں کی نسبت زیادہ قبول صُورت تھا اور تیز و طرار بھی۔ ہنگامِ کوچ چترِ سلطانی کے سامنے آیا اور بڑی خوش الحانی سے یہ شعر پڑھا ؎

گر قدم بر چشمِ ما خواہی نہاد
دیدہ در رہ می نہم تا مے روی

اور ساتھ ہی کہا کہ اس غزل کا مطلع موقع کے زیادہ مناسب ہے۔ لیکن سوءِ ادبی کے ڈر سے پڑھ نہیں سکتا۔ بادشاہ کا دل اس شوخ کے ناز و کرشمہ سے پہلے ہی متاثر ہو چکا تھا اور توبہ کے گنبد میں دراڑ پیدا ہو گئی تھی، فرمایا: "بخواں و مترس"۔ اُس نے پڑھا ؎

سرو سیمینا بصحرا مے روی
نیک بد عہدی کہ بے ما مے روی

سُلطان اس ماہ پیکر کی حرکاتِ دلفریب اور اس نشاط انگیز شعر کے اثر سے سکتے میں آگیا۔ باپ کی نصیحتیں یک قلم فراموش کیں اور بے اختیار ہو کر گھوڑے سے اُتر پڑا۔ محفلِ نشاط آراستہ کی اور اسی منجیچہ کو ساقی بنایا۔ اُس نے

marfat.com

"محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

شرائط تواضع بجالاکر جامِ شراب مئے ارغوانی سے لبریز کرکے سلطان کے ہاتھ میں دیا۔ بادشاہ نے شعر پڑھا ؎

اگر ساقی تو خواہی بُود مارا
کہ میگوید کہ مے خوردن حرام است[1]

اور پیالہ نوش فرمایا۔ باقی امرا اور عمائد بھی اپنے اپنے خیموں میں مجالسِ عشرت آراستہ کرکے لہو و لعب میں مشغول ہوئے۔

دوسرے روز وہاں سے کوچ کیا۔ اب منزل بمنزل مجلسِ نشاط ترتیب دی جاتی تھی کہ دہلی جا پہنچے۔ شہر دہلی کے رہنے والے سلطان کی آمد سے بڑے خوش ہوئے۔ ہر گلی کوچے میں جشن ہوئے اور عیش و عشرت کا بازار گرم ہُوا۔ برنی لکھتا ہے: "در دہلی از شادی رسیدن سلطان قبہ ہا بستند و گلہا آراستند و سرود گویانِ خوبرو و پاکوبانِ صاحبِ جمال از قدیم و جدید از سرود گفتن و پاکوفتن در قبہ ہا بالائے برآوردند و خلقِ شہر بر جمالِ ایشاں عاشق تر و دیوانہ تر گشتہ۔"

کئی مہینے یہی حال رہا۔ لیکن ان ناعاقبت اندیشیوں کا نتیجہ بھی ظاہر ہے۔ سلطان کثرتِ خمر اور عیاشی کی بدولت لاغر و ضعیف ہُوا۔ اور جلد ہی مرض فالج میں مُبتلا ہو کر حرکت کرنے سے عاجز ہو گیا۔ اس حالت میں چند ترکوں نے جن کے عزیز کیقباد کے ہاتھ سے مارے گئے تھے، خلجی اُمرا کے اشارے سے اس کا کام تمام کر دیا۔ ملک جلال الدین فیروز خلجی جو بااثر امیر تھا۔ اپنے مخالفوں کو قتل کروا کے تختِ شاہی پر متمکن ہُوا۔ اور خاندانِ غلامان کا خاتمہ ہُوا۔

---

[1] ملاحظہ ہو برنی کی تاریخ فیروز شاہی (ص ۱۵۸-۱۶۴)

marfat.com

"محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

عہدِ غلامان میں علم و ادب

عہدِ قطبی

ہم غزنویہ خاندان کے شعرا اور نثر نگاروں کا ذکر کر چکے ہیں۔ ان کے آخری ایّام میں لاہور اور ملتان علم و ادب کے دو اہم مرکز بن رہے تھے، لیکن جب سلطان قطب الدین ایبک نے دہلی کو سر کیا اور اسے تمام مقبوضاتِ ہند کا دارالسلطنت قرار دیا تو یہ شہر بھی اسلامی علوم کا ایک بڑا مرکز بن گیا۔ قطب الدین ایبک کے زمانے میں ہی یہاں مدرسوں کے قیام کی اطلاع ملتی ہے۔ افسوس ہے کہ ان مدرسوں کے نام باقی نہیں۔ اور یہ پتا نہیں چلتا کہ وہ کس درجے کے تھے۔ لیکن عہدِ التتمش میں دو بلند پایہ مدرسوں معزیہ اور ناصریہ کے نام آتے ہیں۔ ان کا انتظام قاضی منہاج سراج مصنف طبقاتِ ناصری کے سپرد تھا۔ اور جب سلطانہ رضیہ کے زمانے میں ملاحدہ اور قرامطہ نے دہلی پر حملہ کیا تو ان کے ایک گروہ نے مدرسہ معزیہ کو کافی نقصان پہنچایا۔ عجب نہیں کہ یہ مدرسہ سلطان قطب الدین ایبک کے زمانے میں قائم ہُوا ہو اور اس سے سلطان معز الدین غوری کی یادگار باقی رکھنا مقصود ہو۔

سلطان قطب الدین ایبک کے زمانے میں ایک اور دُور دراز ملک میں مدرسے قائم ہونے کا ذکر آتا ہے۔ مورخین لکھتے ہیں کہ جب سُلطان محمد غوری کے مشہور سپہ سالار بختیار خلجی نے بنگالہ اور بہار فتح کیا۔ تو اس نے شہر رنگ پور بسایا اور وہاں اور دوسرے شہروں میں کئی مدرسے تعمیر کرائے۔

سلطان قطب الدین ایبک کے زمانے میں ایک دو شاعروں کے نام اور ان کا کلام ملتا ہے۔ ایک شاعر ملک الکلام بہاء الدین اوشی تھے جو بعد میں اوش چلے گئے اور وہاں کے شیخ الاسلام بنے۔ انھوں نے سُلطان کی سخاوت کی ایک رباعی میں تعریف کی تھی:۔

اے بخششِ تو کار بجہاں آوردہ   کاں را کفِ تو کار بجان آوردہ
از رشکِ کفِ تو خون گرفتہ دلِ کان   در لعلِ بہانہ درمیاں آوردہ

marfat.com

"محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

دوسرے اہلِ قلم تاج المآثر کے مصنف تھے، جنھوں نے ہندوستان میں اقامت اختیار کی۔ ان کا نام نظام الدین حسن نظامی نیشاپوری تھا۔ تاج المآثر میں چھبیس ۲۶ سال کے حالات درج ہیں۔ اور قطب الدین ایبک اور شمس الدین کے عہدِ حکومت کے واقعات (بڑے انشا پردازانہ رنگ میں اور پیچ در پیچ طریقے سے) بیان ہوئے ہیں۔ مولنا حسن نظامی شاعر بھی تھے اور تاج المآثر میں موقع بہ موقع انھوں نے اپنا عربی و فارسی کلام درج کیا ہے۔

اس دور کے ایک اور قابلِ ذکر مصنف فخر الدین مُبارک شاہ المعروف بہ فخر مدبر غزنوی ہیں۔ جن کی ساری عمر ہندوستان میں گزری۔ ان کی کتاب سلسلۃ الانساب سلطان قطب الدین ایبک کے نام پر معنون ہے۔ شروع میں عہدِ قطبی کی مختصر تاریخ ہے جو تاریخ فخر الدین مبارک شاہ کے نام سے طبع بھی ہو گئی ہے۔ فخر مدبر کی دوسری اہم کتاب آداب الحرب ہے جو فارسی زبان میں فنونِ جنگ پر بہترین کتاب ہے۔ اور التمش کے نام پر لکھی گئی۔

ناصر الدین قباچہ کا دربار

اسی زمانے میں سندھ کے گورنر ناصر الدین قباچہ کے زیرِ حکومت (۶۰۲ھ سے ۶۲۵ھ تک) ملتان اور اُچہ کی علمی محفلیں بھی رونق پر تھیں۔ ان دنوں کھوکھروں کے ظلم و تعدی کی وجہ سے افغانستان و ترکستان سے آنے والوں کے لیے شمال مغربی پنجاب کی راہ بند تھی۔ اس لیے اکثر قافلے ملتان اور اُچہ کے راستے آتے۔ اور جو اہلِ علم فتنۂ چنگیزی سے بچنے یا سیر و سیاحت کے لیے ہندوستان کا رُخ کرتے وہ اپنے قدوم سے پہلے ان شہروں کو مشرف کرتے۔ چنانچہ مولنا منہاج سراج مصنف طبقاتِ ناصری اور سعید الدین محمد عوفی جو ناصر الدین قباچہ کی شکست و وفات کے بعد شمس الدین التمش کے پاس دہلی گئے۔ پہلے قباچہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور عوفی نے فارسی شعرا کا سب سے پہلا تذکرہ دربارِ قباچہ میں تصنیف کر کے قباچہ کا نام زندہ جاوید کر دیا۔ قباچہ کے عہدِ حکومت میں ہی اُچہ کے ایک اہلِ قلم نے

marfat.com

"محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

سندھ کی پہلی تاریخ چچ نامہ ایک قدیم عربی کتاب سے ترجمہ کی۔ قباچہ کا وزیر عین الملک اشعری ادب کا بڑا قدردان تھا۔ عوفی اسے نظام الملک اور اسمٰعیل عباد کے ساتھ تشبیہ دیتا ہے۔ اس کی معارف نوازی کی وجہ سے دربار میں علما اور فضلا کا جمگھٹا رہتا تھا۔ ۶۲۷ھ/۱۲۲۷ء میں التتمش نے قباچہ کو شکست دے کر سندھ کی خود مختار حکومت کا خاتمہ کیا اور اس کے ساتھ ہی اُچہ اور مُلتان کی علمی اور ادبی سرگرمیوں کا بھی خاتمہ ہو گیا۔

التتمش کی علم دوستی

سلطان قطب الدین ایبک کے عہدِ حکومت میں ہی کئی قابلِ ذکر اہلِ قلم ہندوستان آ گئے تھے لیکن سلطان شمس الدین التتمش کے زمانے میں ان میں بہت اضافہ ہوا اور اس کی ایک وجہ حملۂ چنگیزی تھا۔ جس کے ڈر سے ترکستان، ایران اور افغانستان کے کئی امرا و علما اپنے وطنِ عزیز سے ہجرت کر گئے۔ اور چونکہ اس طوفان کے مقابلے میں خطۂ ہند و پاکستان اسلامی دُنیا کا سب سے بڑا ملجا و ماویٰ تھا اس لیے وہ کثرت سے اس سرزمین میں تشریف لائے۔ عہدِ شمسی کی نسبت طبقاتِ ناصری میں لکھا ہے:۔

"واز اوّل عہدِ دولت و طلوعِ صبحِ مملکت در استجماعِ علماے با نام و سادات کرام و ملوک و امرا و صدور و کبرز یادت از ہزار لک ہر سال بذل فرمود و خلائق اطرافِ گیتی را بحضرتِ دہلی کہ دار الملک ہندوستان است و مرکز دائرہ اسلام و محیطِ اوامر و نواہیِ شریعت و حوزۂ دینِ محمدی و بیضۂ ملتِ احمدی و قبۃ الاسلام مشارقِ گیتی صانہا اللہ عن الانہاء اعضرہا السادات جمع آورد و این شہر بکثرت انعامات و تمول کرامات آں بادشاہ دین دار محطّ رحالِ آفاق گشت۔ و ہر کہ از حبائلِ حوادث بلادِ عجم و نکبات کفار بفضلِ ایزدی خلاص یافت۔ ملاذ و ملجا و مہرب و مامن حضرتِ جہاں پناہ آن بادشاہ ساخت۔ و الیٰ یومنا ہذا آن قواعد امن و امان ممہد و مستحکم است و تا ابد چنیں باد۔" (ص ۱۶۶)

عہدِ شمسی کا ذکر کرتے ہوئے عصامی لکھتا ہے:۔

marfat.com

"محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

غرض چوں کہ خورشید روئے زمیں — شد التمش آں شمس دنیا و دیں
بہ دہلی چناں تخت گاہے بساخت — سپاہش در اقصائے آں ملک تاخت
دراں شہر یک رونقے شد پدید — بلے لذتے باشد اندر جدید
بسے سیدانِ صحیح النسب — رسیدند در دورے زملکِ عرب
بسے کاسبانِ خراساں زمیں — بسے نقشبندانِ اقلیمِ چیں
بسے عالمانِ بخارا نژاد — بسے زاہد و عابد از ہر بلاد
زہر ملک و ہر جنس صنعت گراں — زہر شہر و ہر اصل سیمیں براں
بسے ناقدانِ جواہر شناس — جواہر فروشاں بروں از قیاس
حکیمانِ یوناں، طبیبانِ روم — بسے اہلِ دانش زہر مرز و بوم
دراں شہرِ فرخندہ جمع آمدند — چو پروانہ برنورِ شمع آمدند

یکے کعبۂ ہفت اقلیم شد
دیارش ہمہ دارِ اسلیم شد

یہ عمل سلطان غیاث الدین بلبن کے عہدِ حکومت میں اور بھی قوی ہوگیا جو عالی خاندان لوگ مغلوں کے حملوں سے بچ کر ہندوستان میں پناہ گزیں ہوئے، بلبن نے ان کی بڑی قدر کی اور ان سے استحکامِ حکومت میں مدد لی۔

تاریخ فیروز شاہی کے ایک اندراج سے خیال ہوتا ہے کہ شمس الدین التمش نے نہ صرف بیرونِ ہند کے علما کی قدر دانی کی بلکہ وہ بیرونِ ہندوستان سے اچھی اچھی کتابیں بھی منگواتا تھا اور اس ملک کے علمی خزائن کو مالا مال کرتا تھا۔ یہ اندراج سلطان غیاث الدین بلبن کے فرزند بغرا خاں اور پوتے کیقباد کی مشہور ملاقات کے متعلق ہے۔ بغرا خاں اپنی تعلیم و تربیت کا ذکر کرتے ہوئے اپنے والد کو یاد کرکے کہتا ہے:۔

"جب میں اور میرے بڑے بھائی (خان شہید) نے خطاط کے سامنے مفردات لغت اور نوشت و خواند ختم کرلی تو شاہی ملازم سلطان غیاث الدین بلبن

marfat.com

"محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

کی خدمت میں گئے اور عرض کیا کہ اب شہزادے صرف و نحو اور فقہ میں سے کس چیز کی تعلیم حاصل کریں اور کونسے اُستاد اس مقصد کے لیے مقرر ہوں۔ بادشاہ نے جواب دیا خطاط کو خلعت اور انعام دے کر رخصت کیا جائے اور میرے بیٹوں کو دانا مورخین اور سمجھ دار اُستاد آداب السلاطین اور مآثر السلاطین جیسی کتابیں جو بغداد سے سلطان شمس الدین التمش کے بیٹوں کے لیے لائی گئی تھیں، پڑھائیں اور اس کے بعد میرے بیٹے ان تجربہ کار اور کارشناس بوڑھوں کی صحبت میں رہیں، جو علم تاریخ اور احوالِ بزرگان میں مہارت رکھتے ہیں۔ اور کم ہمت، گداطبع لوگ ان کے قریب نہ آئیں۔ جو علم کہ وہ جانتے ہیں اور سکھاتے ہیں وہ میرے بیٹوں کو امورِ مملکت میں مفید نہ ہوگا۔ اور جہاں تک نماز، روزہ، وضو کا تعلق ہے انھیں سکھانا لازمی ہے۔ لیکن اس قدر تو وہ سیکھ چکے ہیں۔" (ترجمہ از تاریخ فیروز شاہی ص ۱۴۴۔۱۴۵)

اس طویل اقتباس سے بلبن جیسے پابندِ مذہب بادشاہ کے ان خیالات کا بھی اندازہ ہو سکتا ہے جو اس کے "نحو و صرف و فقہ" پر زیادہ زور دینے کے متعلق تھے!

سلطان التمش کے عہد میں نہ صرف آداب السلاطین اور مآثر السلاطین جیسی کتابیں باہر سے منگائی گئیں بلکہ ہندوستان میں بھی کئی بلند پایہ کتب تصنیف یا ترجمہ ہوئیں۔ ایک معرکۃ الآرا کتاب آداب الحرب تھی جو سلطان شمس الدین کے نام پر تاریخ مبارک شاہ کے مصنف نے لکھی۔ عہدِ شمسی کا ایک اور فاضل موید حبر جامی تھا۔ جس نے بادشاہِ وقت کے نام پر حجۃ الاسلام امام غزالیؒ کی احیاء العلوم کا فارسی میں ترجمہ کیا۔ التمش کا بیٹا رکن الدین فیروز ایک ناکام بادشاہ تھا، لیکن علم و ادب میں اس نے بھی دلچسپی لی اور امام رازی کی تالیف سرِ مکتوم کا فارسی میں ترجمہ کرایا۔[1]

---

[1] ملاحظہ ہو رسالہ اردو بابت جنوری۔ اپریل ۱۹۴۳ء میں "ہندوستان میں مغلوں سے قبل فارسی ادب" پر علامہ حافظ محمود شیرانی کا فاضلانہ ریویو ص ۹۵

marfat.com

"محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

تاج الدین سنگریزہ

التمش کے عہد میں کئی شاعر اور ادیب تھے۔ ایک شاعر تاج الدین تھا جو اپنی کوتاہ قامتی کی وجہ سے ریزہ یا سنگریزہ کہلاتا تھا۔ وہ سلطان شمس الدین اور اس کے جانشین سلطان رکن الدین کے عہد میں دبیر الملک کے جلیل القدر منصب پر مامور تھا۔ اور اس نے مختلف قلعوں کی تسخیر یا اس طرح کے دوسرے موقعوں پر بادشاہ کی تعریف میں قصیدے لکھے ۶۲۶ھ میں جب خلیفہ المستنصر باللہ کا سفیر بغداد سے سلطان کے لیے خلعتِ فاخرہ اور اسپِ تازی لے کر پہنچا تو سلطان نے ایک شاندار دربار منعقد کیا اور بڑے فخر سے خلعت کو زیب تن کیا۔ اس واقعہ کو شعرا نے یادگار کے طور پر قصائد میں نظم کیا۔ تاج الدین نے اس موقع پر جو قصیدہ لکھا اس کا مطلع ہے ؎

مژدہ عالم را از عالم آفریں آوردہ اند
زانکہ شہ را از خلیفہ آفریں آوردہ اند

جب التمش کی وفات کے بعد اس کا بیٹا رکن الدین جانشین ہوا تو تاج الدین نے بھی مدحیہ اشعار لکھے ؎

مبارک باد ملکِ جاودانی — ملک را خاصہ در عہدِ جوانی
امین الدولہ رکن الدین کہ آمد — درش از یمنِ او رکنِ یمانی

مجمع الفصحا میں اس کے چند اشعار منتخب ہوئے ہیں ؎

چہ زلف است آن سہی بر روئے جاناں — کہ زو گردد پریشانی پریشاں
بہ مہر و ماہ مے خواہد ہمے جنگ — رخش پوشیدہ زاں از زلفِ خفتاں
چو شمشیرش بخندد خصم گرید — بلے از خندۂ برق است باراں
کند مہرش بنات النعش را جمع — چناں قہرش ثریا را پریشاں

وہ ہندوستانی ہونے پر فخر کیا کرتا تھا۔ کہتا ہے ؎

مولد و منشا ببیں در خاکِ ہندوستاں مرا
نظم و نثرم بیں کہ با آبِ خراساں آمد است!

marfat.com

"محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

امیر روحانی عہد شمسی کا ایک اور شاعر روحانی تھا۔ اس کا وطن بخارا تھا۔ لیکن جب یہ شہر چنگیز خاں کے ہاتھوں برباد ہوا تو وہ ہندوستان آگیا اور سلطان شمس الدین کے خوانِ نعمت سے فیضیاب ہوا۔ جب بادشاہ کے رنتھنبور اور منڈور کے قلعے فتح کیے تو امیر روحانی نے لکھا ؎

خبر بااہلِ سما بردہ جبرئیل امیں ۔۔۔ ز فتح نامۂ سلطان عہدِ شمس الدیں
کہ اے ملائکہ قدس آسمانہا را ۔۔۔ بدیں بشارتے بندید کلہ تزئیں
کہ از بلادِ ملاحد شہنشۂ اسلام ۔۔۔ کشاد بارِ دگر قلعۂ سپہر آئیں
شہِ مجاہد و غازی کہ دستِ تیغش را ۔۔۔ روانِ حیدرِ کرار میکند تحسیں

اس کے اور بھی کئی اشعار بدایونی نے نقل کیے ہیں ؎

قصۂ خویش از زبانِ قلم ۔۔۔ کردہ ام یاد در بیانِ قلم
رقمِ رنج گوئیا بودہ است ۔۔۔ بر خطِ عمر من نشانِ قلم
باقلم تا قریں شدم بجہاں ۔۔۔ روزِ من گشت درجہانِ قلم

شعرائے دیگر ان کے علاوہ اور بھی کئی شعرا عہد شمسی میں موجود تھے۔ ایک شاعر ناصری تھا۔ جس کے ایک قصیدے کا ذکر فوائد الفواد میں ہے۔ یہ قصیدہ التمش کی تعریف میں تھا۔ مطلع تھا ؎

اے فتنہ از نہیبِ تو زنہار خواستہ
تیغِ تو مال و فیل ز کفار خواستہ

اس پر بادشاہ کی طرف سے گراں قدر انعام ملا۔ ناصری کا ایک اور قطعہ آتشکدہ میں نقل ہوا ہے ؎

از زود رفتنت ہمہ روز است ماتمم ۔۔۔ وز دیر آمدن ہمہ شب ماتم دگر
ترسم اگر حکایت غمہائے خود کنم ۔۔۔ غمگیں شوی ازیں غم وایں غم غم دگر

دوسرا شاعر بہاء الدین علی تھا جو صدر کے عہدے پر مامور تھا۔ اور پھر ترقی کرتا کرتا بڑے مدارج پر پہنچ گیا۔ وہ ایک کامیاب سپاہی بھی تھا۔ اور

marfat.com

"محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

خوش طبع شاعر بھی۔

تیسرا شاعر اُستاد الشعرا شہاب مہمرہ تھا۔ جسے آج کل بہت کم لوگ جانتے ہیں۔ لیکن جس کی اپنے زمانے میں اتنی شہرت تھی کہ امیر خسرو اپنے اشعار میں اس کا ذکر اس طرح کرتے ہیں جس طرح مرزا غالب اپنے اشعار میں میر تقی میر کا ؎

در بداؤں مہمرہ کر مست برخیزد زخواب
گر برآید غلغلہ مرغانِ دہلی زیں نوا!

بدایونی نے اس کے تین قصائد نقل کیے ہیں۔ لیکن ان میں زبان و بیان کی بڑی اُلجھنیں ہیں۔ ایک قصیدے کے چند اشعار ملاحظہ ہوں ؎

النغم بلوحِ ہستی ہمہ ہیچ در نشانی	بربقاے غیر قائم زوجودِ خویش فانی
صفتِ الف ندارم کہ الف کجی ندارد	ہمہ نقش من کج آمد زصحیفۂ امانی
دمِ بلبل است و گل خوش من بے خبر چو سوسن	چو الف زباں ندارم چہ کنم بدہ زبانی
چُوں نگیرم آرمیدہ چہ دوم پس دویدہ	چو نہ بینم آشکارا چہ روم رہِ نہانی
نہ چو آبم از طراوت نہ چو آتشم ز رفعت	نہ چو بادم از لطافت نہ چو خاکم از گرانی

اس دَور کے کئی شعرا مہمرہ کے شاگرد تھے۔ اور مشہور شاعر عمید بھی ان میں شامل تھا۔

صُوفیہ اہلِ قلم یہ شعرا اور ادبا تو وہ تھے، جو زیادہ تر دربارِ شاہی یا سلطنت کے کاروبار سے وابستہ تھے۔ لیکن ابتدا سے ہی ہندوستان میں فارسی ادب کی ایک ایسی شاخ نشو و نما پانے لگی جس کی آبیاری بادشاہوں کی سرپرستی سے نہیں بلکہ اہل اللہ کی مسیحا نفسی سے ہوتی تھی۔ ہندوستان میں قدیم صُوفیہ نے نہ صرف اشاعت اسلام کا کام اپنے ذمہ لیا بلکہ تصنیف و تالیف میں بھی وہ سب سے آگے تھے۔ ان کی اکثر تصنیفات کی قدر و قیمت آج اس وجہ سے کم ہو گئی ہے کہ حقیقت و معرفت کے جن مسائل کو اُنھوں نے اپنا موضوعِ قلم بنایا تھا۔ ان سے عہدِ حاضر کی مادی دُنیا کو بہت دلچسپی نہیں۔ لیکن ان تصانیف

marfat.com

"محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

کی دلچسپی ادب اور مذہب کے مورخ کے لیے برقرار ہے۔ ہندوستان میں شاید فارسی نثر کی سب سے پہلی تصنیف حضرت داتا گنج بخش ہجویریؒ کی کشف المحجوب تھی اور اس کے بعد صوفیہ تصانیف کا یہ سلسلہ برقرار رہا۔

حضرت خواجہ معین الدین اجمیریؒ کے مبینہ کلام کا ذکر ہم آئندہ صفحات میں کریں گے۔ ان کے ایک خلیفہ سلطان التارکین شیخ حمید الدین صوفی ناگوری (متوفی ۶۷۲ھ) تھے، جن کے مکتوبات مشہور ہیں اور اس فن انشا کی ہندوستان میں شاید پہلی مثال ہیں جس میں صوفیہ عام اربابِ ادب سے بھی بازی لے جانے والے تھے۔ ان کی اور تصانیف بھی تھیں۔ جن میں اصول الطریقہ کی شیخ عبدالحق محدث بڑی تعریف کرتے ہیں۔ ان کے ملفوظات سرور الصدور بھی موجود ہیں۔ اس زمانے کے ایک اور اہل قلم (اور بالجملہ ایک مجموعہ اضداد بزرگ) قاضی حمید الدین ناگوری تھے جو شیخ شہاب الدین سہروردی کے مرید تھے، لیکن دہلی پہنچ کر خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کے عقیدت مندوں میں شامل ہو گئے اور ان کے پائیں مزار دفن ہیں۔ وہ سماع کے بڑے دلدادہ تھے۔ اور سلطان شمس الدین التمش کے عہدِ حکومت میں علما کی مخالفت کے باوجود بادشاہِ وقت سے اس کی اجازت لی۔ انھوں نے کئی کتابیں لکھی ہیں۔ جن میں طوالع الشموس زیادہ مشہور ہے۔ اس میں اسمائے حسنہ کی شرح تصوف و طریقت کی زبان سے لکھی ہے۔ ان کا ایک اور رسالہ عشقیہ جس میں عشقِ الٰہی کے مضامین شاعرانہ نثر میں بیان ہوئے ہیں، شائع ہو چکا ہے۔ جمالی نے لکھا ہے کہ طوالع الشموس کو سوائے "اہلِ کمال اور صاحبِ حال" لوگوں کے کوئی نہیں سمجھ سکتا۔ یہی کیفیت عشقیہ کی ہے!

عہدِ ناصری کے اہلِ قلم

سلطان شمس الدین التمش کی وفات کے بعد چند روز سلطان رکن الدین اور پھر رضیہ سلطانہ نے حکومت کی۔ اس کے بعد سلطان ناصر الدین محمود ابن سلطان شمس الدین تخت نشین ہوا۔ اس کی سادہ زندگی اور درویش طبعی کا ہم ذکر کر چکے ہیں۔ اس کے زمانے کا

marfat.com

"محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

ایک مشہور شاعر اور شعرا کا سرپرست شمس الدین دبیر تھا۔ جسے حضرت سلطان المشائخ کے اُستاد ہونے کا فخر حاصل ہے اور جو دبیری، منشی گری، ندیمی، ملکی کے مراتب طے کر کے ایک زمانے میں "مستوفی ممالک ہندوستان" (یعنی وزیرِ خزانہ) ہو گیا تھا۔ تاج الدین سنگریزہ نے اس موقعہ پر لکھا تھا ؎

صدرا کنوں بکامِ دلِ دوستاں شُدی
مستوفیٔ ممالکِ ہندوستاں شُدی

بدایونی اس کی نسبت لکھتا ہے "آثارِ فضائل و کمالاتِ او از حدِ بیان بیرون از توصیف و تعریف مستغنی است"۔

بلبن نے جب اپنے بیٹے بغرا خاں کو بنگالہ کا حاکم باختیار مقرر کیا تو دربارِ دہلی کے بعض ذی لیاقت اور قابلِ اعتماد لوگوں کو بھی اس کی ملازمت میں ساتھ دیا۔ ان میں شمس الدین دبیر تھا، جسے "منشی مملکتِ بنگالہ و کامرود" مقرر کیا گیا۔ منتخب التواریخ میں اس کا ایک قصیدہ درج ہے ؎

این ہمہ کارِ دلم از تو بنادانی خام | دادہ دوش مرا وعدہ مہمانی خام
پختہ کردم ہمہ شب چشم بدانستم کاں | طمعے بود ازاں گونہ کہ میدانی خام
پختہ دارم دلِ از اندیشۂ رویت چہ امت | رنگِ تو بختہ ہمیں فقرۂ پیشانی خام

یہ قصیدہ بغرا خاں کی تعریف میں ہے۔ اس میں والیٔ بنگالہ سے کہتے ہیں ؎

خسروا! شمس دبیر است قوی پختہ سخن | نیست چوں دفتریاں سوختہ دیوانی تمام
ہست آں پختہ شعرش چو زرِ پختہ و نیست | سخنش چوں سخن پختہ رخاقانی خام

اس زمانے میں ایک اور شاعر عمید تھا۔ جس کا پورا نام ملک الکلام امیر فخر الدین عمید سنامی تھا۔ وہ ہندوستان کے تمام صوبوں کا دیوان ہو گیا تھا۔ اس کے اشعار میں گرمی اور زور اور صفائی زیادہ ہے۔ حمد میں کہتا ہے ؎

برخیز عمید ار نہ فسردہ است دلِ تو | بگذر ز غزل حمد خداوندِ جہاں گو
مداحی درگاہِ خدا کن کہ برافراشت | بے زحمتِ آلات لبے گنبدِ مینو

marfat.com
"محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

دو شاہ رواں کرد بریں طارمِ ارزق — پس دادہ ز سیارۂ شاں خیل زہر سو
صد شاہدِ اختر بگہ و شام نمودہ — مشّاطۂ صنعش ز پسِ پردہ نہ تو

ایک نعتیہ قصیدے کے اشعار ہیں ؎

اے زنہیبِ حکمِ تو خم زدہ قامتِ فلک — خطبۂ کبریائے تو 'وحدہٗ' لاشریک لک
ملکِ تو ملکِ ثابت است، ملکِ تو ملکِ راستیں — ملکِ نہ ملکِ منقلب، ملکِ نہ ملکِ مشترک
پرتوِ نورِ قدسِ تو چہرہ کشائے مہر و مہ — گوشہ نشینِ ملکِ تو اوجِ سماک تا سمک

ایک اور قصیدے میں کہتا ہے ؎

مرا ست دیدہ محیط و خیالِ جاں کشتی — بر آب دیدہ، ز غم میکند رواں کشتی
در آب دیدہ شب و روزم و چگونہ بود — فراز و شیب ز خوں موج و درمیاں کشتی
مرادِ دل چہ طمع دارم از جہانِ خسیس — چگونہ رانم بر روئے ناوداں کشتی!

اس کا ایک حبسیہ قصیدہ بہت مشہور ہے ؎

منکہ چوں سیمرغ در یک گوشہ مسکن کردہ ام
ماورائے مرکزِ خاکی نشیمن کردہ ام

ہندوستان میں اسلامی فقہ کا آغاز

برِصغیر پاکستان و ہند میں فقہی مسائل کا آغاز اسی وقت سے ہو گیا تھا جب محمد بن قاسم اور اس کے رفقائے کار کے بابرکت قدم اس سرزمین میں پہنچے۔ نئی مملکت میں نو واردوں کو جو مسائل حل کرنے پڑے۔ ان میں سب سے اہم غیر مسلم آبادی کی نسبت نئی حکومت کا نقطۂ نظر تھا۔ مقامی سندھی یا ہندو تھے یا بدھ مت کے ماننے والے۔ بہرکیف سارے بت پرست تھے اور مصر و شام کے باشندوں کی طرح اہل کتاب نہ تھے۔ اس کے متعلق اسلامی قانون میں ایک واضح (اور روادارانہ) طریق کار

marfat.com

"محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

معین ہوگیا تھا۔ لیکن عرب فاتح نے مقامی ہندوؤں اور بودھوں کو وہ تمام رعائتیں دیں، جو اہلِ کتاب یہودیوں اور عیسائیوں کو شریعتِ اسلامی میں حاصل تھیں۔ مقامی عبادتگاہوں کے متعلق فتوح البلدان میں محمد بن قاسم کا قول درج ہے کہ یہ بُت خانے ہمارے لیے "عیسائیوں اور یہودیوں کی عبادت گاہوں اور مجوسیوں کے آتش کدوں ہی کی طرح ہیں"۔ چچ نامہ میں بھی ایک جگہ یہی الفاظ دہرائے گئے ہیں بلکہ یہ بھی وضاحت ہے کہ یہ احکام حجاج بن یوسف سے استصواب کے بعد جاری کیے گئے۔ چچ نامہ میں لکھا ہے کہ داہر کے دار السلطنت کے بُت خانے کی نسبت مقامی باشندوں نے درخواست کی کہ ہمارا بُت خانہ مسمار ہوگیا ہے۔ امیرِ عادل ہمیں اجازت دیں تاکہ اس کی تعمیر کریں اور اپنے معبود کی عبادت کریں۔ "دایں بُت خانۂ ما خراب شدہ است۔ و از خدمت اصنام بماندہ ایم۔ امیر عادل ما را بفرماید تا عمارت تعمیر کنیم و در عبادتِ معبودِ خود باشیم۔ (چچ نامہ ص ۲۱۳) چونکہ معاملہ نہ صرف بُت پرستی کی اجازت کا، بلکہ "خراب شدہ" بُت خانے کی تعمیر کا تھا۔ اس لیے امیرِ لشکر نے حجاج بن یوسف کو لکھ بھیجا۔ وہاں سے جو جواب آیا، اس سے عربوں کے اس طریقِ کار پر جو انھوں نے پہلی صدی ہجری میں (یعنی ائمہ اربعہ کی تدوینِ فقہ سے بہت پہلے) اختیار کر رکھا تھا، روشنی پڑتی ہے۔ حجاج نے لکھا:-

"مکتوبِ عزیز پہنچا۔ احوالِ مندرجہ سے آگا[ہی] ہوئی۔ برہمناباد کے سرآوردہ لوگوں نے اپنے مندر کی تعمیر اور اپنی قوم کے متعلق التماس کیا ہے۔ (متقدمانِ برہمناباد بجہتِ عمارت بدہ و ملت خود التماس می نمایند) جب ان لوگوں نے ہماری اطاعت قبول کرلی ہے اور دار الخلافہ کی (طے کردہ) رقم کی ادائگی کا ذمہ لیا ہے تو پھر ہمارا ان پر مزید حق نہیں رہتا۔ اس لیے کہ اب وہ ذمّی ہوگئے۔ اور ان کے جان و مال میں ہمارا کوئی تصرف نہیں۔ اس لیے اجازت دی جاتی ہے کہ وہ اپنے معبود کی عبادت کریں اور کسی شخص کو اس کے مذہب کے متعلق ممانعت اور تنبیہہ نہ ہو تاکہ وہ اپنے گھروں میں اپنی رائے کے مطابق رہیں سہیں"۔

[نوٹ اگلے صفحے پر ملاحظہ ہو]

marfat.com

"محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

چچ نامہ میں بعض احکام کی نسبت صراحت ہے کہ حجاج نے ان کے جاری کرنے سے پہلے "علمائے کوفہ و بصرہ" بلکہ خلیفۂ وقت (ص ۲۲۸) سے استصواب کیا تھا۔ عجب نہیں کہ سندھ کے بُت پرستوں کو ذمیوں کا درجہ دینے سے پہلے یہی عمل روا رکھا گیا ہو!

سندھ میں محمدؒ بن قاسم کی واپسی کے بعد بھی مُلکی معاملات میں یہ طریق کار جاری رکھا گیا۔ فقہی اور دینی نقطۂ نظر سے بعد میں یہاں کافی کشمکش شروع ہو گئی۔ امویوں کے جانشین عباسی تھے۔ ان کے زمانے میں ان کے مخالف فاطمی خلفا نے یہاں اپنی تبلیغ کا سلسلہ شروع کیا۔ اور جیسا کہ ہم نے پہلے باب میں ذکر کیا ہے، بالآخر وہ کچھ عرصے کے لیے ملتان اور منصورہ پر قابض ہو گئے۔ اور وہاں فاطمی خلیفہ کا خطبہ پڑھا جانے لگا۔ سندھ میں محدثین کی کافی تعداد تھی۔ جن کا ہم ذکر کر چکے۔ فقہا میں قاضی ابو محمد منصوری کا نام قابلِ ذکر ہے۔ جو اپنے مذہب ظاہری (داؤد ظاہری) کے امام سمجھے جاتے تھے۔ صاحبِ تصنیف تھے اور منصورہ کا عہدۂ قضاۃ ان کے سپرد تھا۔

عہد غزنوی کے علما کی نسبت ہماری معلومات بہت مختصر ہیں۔ لیکن ہنود کی نسبت (لڑائیوں کے زمانے کو چھوڑ کر) اب بھی وُہی طریق کار رہا۔ جس کی محکم مثال محمدؒ بن قاسم نے قائم کی تھی اور انھیں ذمیوں کا درجہ ملتا رہا۔ سلطان محمود کی فوج میں بھی ہندو دستے تھے۔ اور امیر مسعود کے تو کئی ہندو جرنیلوں کے نام ملتے ہیں۔ البتہ اس عہد میں دو اہم تبدیلیاں ہوئیں۔ ایک تو سلطان محمود غزنوی نے ملتان اور منصورہ کی اسمٰعیلی حکومتوں کا خاتمہ کر کے اہلِ سُنت والجماعت کے طریقوں کو تقویت پہنچائی۔

---

[1] اصل عبارت کے لیے ملاحظہ ہو چچ نامہ مرتبہ ڈاکٹر داؤد پوتہ ص ۲۱۳ یا دربارِ ملی ص ۵ افسوس کہ اس مکتوب کا جو ترجمہ مولانا سید ابو ظفر صاحب ندوی نے اپنی قیمتی کتاب تاریخ سندھ کے ص ۹۳ پر دیا ہے۔ وہ کئی لحاظ سے غلط ہے۔

marfat.com

"محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"